# اقبال

## ایک تجزیہ

تصنیف و ترتیب

ڈاکٹر بشیر احمد نحوی

اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر کشمیر

Dr. Naz Quadri
(Collections)

# اقبال

## ایک تجزیہ

تصنیف و ترتیب

ڈاکٹر بشیر احمد نحوی

اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی سری نگر

# فکرِ اقبالؒ پر ایک طائرانہ نگاہ

●

موجودہ انسانی زندگی کی بنیادیں اور ضابطے جس اصل اور منبع سے ماخوذ ہیں اس کے تناظر میں دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج ساری دنیا جاہلیت میں ڈوبی ہوئی ہے اور جاہلیت بھی اس رنگ ڈھنگ کی ہے کہ یہ حیرت انگیز سہولتیں اور آسایشیں اور بلند پایہ ایجادات وانکشافات اس کی قباحتوں کو کم یا ہلکا نہیں کر سکتیں۔ اس جاہلیت کا قصر جس بنیاد پر قائم ہے۔ وہ ہے اس زمین پر اللہ کے اقتدار اعلیٰ پر دست درازی اور بغاوت۔ چنانچہ اس جاہلیت نے حاکمیت کی لگام انسانی ہاتھ میں دے رکھی ہے اور بعض انسانوں کو بعض دوسرے انسانوں کیلئے ارباب من دون اللہ کا مقام دے رکھا ہے یہ اس سیدھی سادی اور ابتدائی صورت وہیت میں نہیں جس سے قدیم جاہلیت آشنا تھی بلکہ اس فخر اور دعوے کے ساتھ کہ انسانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خود افکار و اقدار کی تخلیق کریں اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں اور اس کے جلیل القدر پیغمبروں کی مقدس تعلیمات سے منہ موڑ کر جو چاہیں اپنے لئے تجویز کریں۔ انسان نے سرکشی اور بغاوت کی راہ جب اپنائی اور بگاڑ، فساد، ٹکراو اور تناو کا ایک ایسا ماحول برپا ہونے لگا، جس سے آج ساری دنیا پریشان اور پراگندہ دکھائی دے رہی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اقبال نے بتان آذری کے خلاف بغاوت اور اللہ کی حاکمیت، الوہیت، اور فقط اسی کے حکمرانِ اعلیٰ ہونے کا شیرین نغمہ گنگنایا اور اپنے اشعار کے مختلف اسالیب میں اسکی وضاحت و صراحت کرتے ہوئے ایک سوئی ہوئی قوم کو غفلت و جہالت کی نیند سے جگانے کی ایک ایسی مستحسن کوشش کی کہ گذشتہ ایک ہزار سال کی مسلم تاریخ میں اقبال کا سا درد، سوز، اخلاص اور جذبہ ملی کسی اور کے ہاں اتنی شدت کے ساتھ دکھائی نہیں دیتا ہے جیسا اکہ اقبال کے ہاں موجود ہے۔ بالفاظ دیگر جدید جاہلیت کے خلاف اقبال کا کلام اعلانِ جنگ کے مترادف ہے۔

"اقبال کا پیغام صرف مسلمانوں کیلئے نہیں ہے بلکہ اسلام کو توانہوں نے دنیا کے سامنے بہترین تمدنی نظام کی حیثیت سے پیش کیا ہے اس لئے کہ وہ اسلام کو مذہب انسانیت سمجھتے ہیں اور جب وہ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں تو گویا انسانوں کو اپنا موضوع سخن بناتے ہیں (قاضی احمد اختر جوناگڈھی)۔

اقبال ایک عظیم شاعر تھے اگرچہ وہ اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتے تھے۔ لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ وہ اس دور کے بہت بڑے فکری اور نظری خوبیوں کے حامل شاعر تھے۔ انہیں ان لوگوں سے شکایت تھی جو انہیں شاعر سمجھتے تھے، یا ان کے کلام میں "رنگ و آبِ شاعری" کے متلاشی تھے۔

او حدیث دلبری خواہد زمن
رنگ و آبِ شاعری خواہد زمن
کم نظری بے تابیٔ جانم نہ دید
آشکارم دید و پنہانم نہ دید

اقبال نے ۱۹۱۳ء میں عین اس زمانے میں جب انکی شاعری شہرت و قبولیت عام کی بلندیوں کو چھو رہی تھی اور وہ عروج و ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی تھی، خواجہ حسن نظامی کو لکھا تھا کہ:

"میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن اس کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ صفِ شعرا میں بیٹھوں۔"

فن شاعری یا عروض کا مطالعہ تو اقبال نے شاید کبھی نہیں کیا، تاہم وہ بڑے با کمال شاعر تھے اور ان کے زمانے کا شاید ہی کوئی شاعر ان کا مدِ مقابل ہونے کا مشکل ہی سے دعویٰ کرنے کی ہمت کر سکتا ہے۔ ۱۹۳۸ میں اقبال جب رحلت کر گئے تو مولانا آزاد جیسے متبحر عالم اور نکتہ سنج نے کہا تھا کہ "جدید ہندوستان ان سے بڑا شاعر پیدا نہیں کر سکتا۔"

اقبال جب اپنے گرد و پیش کے حالات کو بھانپ رہے تھے اور یہ محسوس کر رہے تھے قوم شاہراہ حیات سے منحرف ہو رہی ہے۔ قدروں کو بھلا رہی ہے۔ ماضی سے بیگانہ ہو رہی ہے اور جادۂ منزل سے بے توجہ ہونے جا رہی ہے، تو اقبال نے شعر کے مضراب سے اسے اپنی ڈگر پر لانے اور اسے بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش

کی۔ قوم کی دیدۂ بینا بن کر اقبال نے اپنی طرف سے ایک منفرد حصہ ادا کیا۔ شاعر کا کام کیا ہے؟ شاعر کا مقام کیا ہے اور قوم کے افراد میں اسکی کیا معنویت، اہمیت اور حیثیت ہے، اسکی طرف بانگِ درا میں "شاعر" کے زیر عنوان تین اشعار میں انہوں نے اشارہ کیا ہے۔

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست وپائے قوم
محفلِ نظم حکومت، چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگین نوا ہے دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

"اسرار خودی" کے ابتدائی اشعار میں اقبال نے اپنے عہد کو اخلاقی، انسانی اور روحانی اقدار و اسرار سے نا آشنا گردانتے ہوئے اپنی شاعری کو ایک دوسری دنیا کا نغمہ اور ایک دوسرے ہی قافلے کے لیے بیدار کرنے کا آلہ قرار دیا، اور پوری شاعری کو محشر برپا کروانے کے لئے استعمال کرنے کا عہد باندھ لیا

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم — من نوائے شاعر فرداستم
عصر من دانندۂ اسرار نیست — یوسفِ من بہر ایں بازار نیست
نا امید استم ز یارانِ قدیم — طورِ من سوزد کہ مے آید کلیم
نغمہ من از جہانِ دیگر است — ایں جرس از کاروان دیگر است
اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد — چشم خود بربست و چشم ما کشاد

اے خوشا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بربست و چشمِ ما کشاد
رختِ نازاز نیستی بیروں کشید
چوں گل از خاکِ مزارِ خود دمید

کسی ملک اور قوم میں شاعر کا مقام بالکل وہی ہوتا ہے جو پیکرِ انسانی میں قلبِ حساس کا۔ دل کی حرکت سے محروم جس طرح یہ انسانی پیکر مردہ لاش سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا بالکل اسی طرح وہ قوم ایک تودۂ خاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی جو اپنے قلبِ حساس یعنی شاعر سے محروم ہو۔ ایک پیامبر شاعر کی حیثیت سے خود اقبال کو اپنی پیامبری کا اعتراف ہے، وہ کہتا ہے کہ اس قلم سے جس نے زندگی کے نقش و نگار ثبت کئے ہیں میری رنگین پنکھڑیوں پر زندگی کا ایک پیام لکھا گیا ہے۔ اگر میرا دل شاندار ماضی سے وابستہ ہے تو میری آنکھیں حال کی عبرتوں پر جمی ہوئی ان سے سبق حاصل کر رہی ہیں اور تابناک مستقبل کے لئے بے چین ہیں، میں زندگی کا تازہ پیام انسانیت کو پہنچا رہا ہوں

بخامۂ کہ خطِ زندگی رقم زدہ است
نوشتہ اند پیامے بہ برگِ رنگینم
دلم بدوش و نگاہم بہ عبرتِ امروز
شہیدِ جلوۂ فردا و تازہ آئینم

اقبال کے افکار اور شاعرانہ نظر کو رشید احمد صدیقی نے اس صدی کا "علمِ کلام"

کہا ہے۔ اپنے وہبی لطیف اور پختہ تر کلام سے اقبال نے اس صدی کے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ دونوں طبقوں کے افراد کو زبردست متاثر کر کے رکھدیا۔ ان کی شاعری پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ اسکا تعلق روح کی گہرائیوں اور وجدان و الہام کی ان مخفی قوتوں سے ہے جو انسانی دسترس سے باہر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اقبال کی جملہ شاعری ادبِ عالیہ، فلسفۂ عالیہ اور الٰہیاتِ عالیہ کا ایک ایسا آمیزہ ہے کہ گذشتہ اسلامی فکر و خیال کے ارتقا اور عروج کی تاریخ میں شاذ و نادر مثالیں ملتی ہیں اور یہ تو بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ رومی کے بعد صرف اقبال ہی ہیں جس نے اتنے نمایاں طریقہ پر اس سہ گونہ معالی کے کمال تک خود کو پہنچایا ہے۔ اقبال کے متعلّم کو اگر صحیح معنی میں اقبال کی روح سے اتصال پیدا کرنا اور اس کے پیغام کی گہرائیوں تک پہنچنا مقصود ہو تو اس کو ان تینوں مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے اس میں اتنا ادبی مذاق ہونا چاہئے کہ اقبال کی بلند پایہ ادبی خصوصیات، لطیف تلمیحات و اشارات اور دور رس استعارات و کنایات کی تہہ تک پہنچ سکے ۔ اقبال نے زندگی کی تہہ سے شناسائی حاصل کرتے ہوئے ایسے باریک نکتے ابھارے ہیں، جس کی مثال رومی کے بغیر کسی دوسرے شاعر کے شعری نظام میں ملنی محال ہے۔

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لاالٰہ میں ہے

وہی جہاں ہے ترا جسکو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں، جو تری نگاہ میں ہے
مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جسکا
وہ مشت ِخاک ابھی آوارہ گانِ راہ میں ہے
میرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشعار کسی متحیر کن دنیا سے ہماری اس محسوسات کی دنیا میں ورود کر رہے ہیں۔ یہ وجدان، کیفیت، الہام اور غیب سے آنے والے مضامین رگ و پے میں سرایت کرتے ہوئے اپنا اثر و نفوذ قائم کر کے جیسے فضا میں پھر تحلیل ہو رہے ہیں۔ فقیر وحید الدین نے "روز گار فقیر" میں اقبال کی ان کیفیات کا تذکرہ کیا ہے، جن کا تعلق شعر سے ہے۔ ایک واقعہ انہوں نے یوں قلم بند کیا ہے۔

"ایک دن انکی (اقبال کی) طبیعت ذرا شگفتہ تھی۔ یعنی باتیں کرنے کے 'موڈ' میں تھے۔ میں نے اس موقع سے فایدہ اٹھا کے سوال کیا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ شعر کیسے کہتے ہیں؟ فرمایا ایک مرتبہ فارمن کرسچن کالج لاہور کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے مجھے بھی اس میں دعوت شرکت دی۔ اجلاس کا پروگرام ختم ہونے کے بعد چائے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ہم لوگ چائے پینے بیٹھے تو ڈاکٹر لوکس میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ چائے پی کے چلے نہ جانا۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے ہم لوگ چائے پی چکے تو ڈاکٹر لوکس آئے اور مجھے اپنے ساتھ ایک گوشے میں لے گئے اور کہنے لگے "اقبال! مجھے بتاؤ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا

مفہوم نازل ہوا تھا اور چونکہ انہیں صرف عربی زبان آتی تھی، انہوں نے قرآن کریم عربی میں منتقل کر دیا یہ عبارت ہی اسی طرح اُتری تھی" میں نے کہا" یہ عبارت ہی اتری تھی"۔ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا کہ "اقبال تم جیسا پڑھا لکھا آدمی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ عبارت ہی اسی طرح اتری ہے؟"

میں نے کہا"ڈاکٹر لوکس! یقین؟ میرا تجربہ ہے کہ مجھ پر شعر پورا اترتا ہے، تو پیغمبر پر عبارت کیوں نہیں پوری اتری ہوگی"۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "جب شعر کہنے کی کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے تو یہ سمجھ لو کہ ایک ماہی گیر نے مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال ڈالا ہے۔ مچھلیاں اس کثرت سے جال کی طرف کھنچی چلی آرہی ہیں کہ ماہی گیر پریشان ہو گیا ہے، سوچتا ہے کہ اتنی مچھلیوں میں سے کسے پکڑوں اور کسے چھوڑوں"۔ میں نے پوچھا۔"کیا آپ پر یہ کیفیت ہمیشہ طاری رہتی ہے"۔وہ کہنے لگے نہیں یہ کیفیت تو مجھ پر سال بھر میں زیادہ سے زیادہ دو بار ہوتی ہے، لیکن فیضان کا یہ عالم کئی کئی گھنٹے رہتا ہے اور میں بے تکلفی سے شعر کہتا جاتا ہوں۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ جب طویل عرصے کے بعد یہ کیفیت طاری ہوتی ہے، تو پہلی کیفیت میں کہا گیا آخری شعر، دوسری کیفیت کے پہلے شعر سے مربوط ہوتا ہے۔ گویا اس کیفیت میں ایک قسم کا تسلسل بھی ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ یہ فیضان کے لمحے دراصل ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے، تو میں ایک قسم کی تکان، عصبی اضمحلال اور پژمردگی محسوس کرتا ہوں"۔

ہر عظیم شاعر جہاں مطلب یا مضمون میں تازگی، جدت اور تنوع پیدا کرنے

کے لئے اپنے بحرِ تخیل میں غواص بن کر نئے اچھوتے اور نادر مضامین، ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہے وہاں وہ اظہار بیان میں دلچسپی، رنگینی اور اثر آفرینی کی صفات سمو دینے کے لئے نئی تشبیہات اور نئے نئے استعارات کا سہارا بھی لیتا ہے۔ اس طرح روح اور جسم کے باہمی ربط سے شاعر ایک ایسے پیکر کا خالق و صناع بنتا ہے، جس کی عظمت کا انحصار تو اسکی روح یعنی مطالب و مضامین پر ہوتا ہے۔ لیکن حسن کا دارومدار جسم یعنی الفاظ میں اپنے اسلوب بیان کو موثر اور پُر کشش بنانے کیلئے کام میں لاتا ہے۔

اقبال کو جن تصورات، رجحانات اور مقاصد کی اشاعت و ترسیل مقصود تھی انہوں نے ان کی روح کو تشبیہوں کے ذریعے اپنی شاعری میں جگہ دی ہے جو ان کے فکر اور پیغام سے ہم آہنگ ہیں۔ اقبال ان تشبیہات و استعارات کا جا بجا استعمال کرتے ہیں جن میں تگ و دو، کشمکش، سوز، جستجو، اور شوق آرزو کے اثرات نمایاں ہیں۔ دریا، جُو، سیلِ آگ، شعلہ، پروانہ اور جگنو اسی لئے اقبال کو پسند ہیں۔ اقبال اپنی اردو اور فارسی شاعری میں ہر جگہ حرکت، حرارت، توانائی، طاقت اور جرأت و بے باکی کے علمبردار نظر آتے ہیں۔ دریا انہیں اسی لئے پسند ہے، کہ وہ رواں دواں ہے، طاقت کی علامت ہے، جہدِ مسلسل میں ہے اور بے پناہ ہے۔ یوسف حسین خان نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔

"اقبال توانائی کا قدرداں ہے۔ چاہے وہ اپنوں میں ملے یا غیروں میں، عالم فطرت میں یا عالم انسانی میں"۔

اقبال کے شعری نظام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ شہباز و شاہین، لالہ

صحرائی، چاند اور تارے ایک طرف شاعرانہ علامات کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں، دوسری طرف فکر و نظر کے لئے بھی انہیں بروئے کار لایا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک ان میں بڑی دلکشی ہے۔ جہاں تک شہباز کا تعلق ہے، وہ اسے ولولہ حیات کی علامت کے طور برتتا ہے۔ شاہین کی خودداری، بلند پروازی، غیرت مندی، ارضیت سے لاتعلقی اور خلوت نشینی جیسے صفات اقبال کے لئے باعثِ کشش ہیں۔

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
این سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کرداند

اقبال کی نگاہیں کائنات اور کائنات کے اسرار پر محققانہ انداز فکر رکھتی تھیں۔ چنانچہ متضاد پہلوؤں پر متضاد صفات اور متضاد اوقات کا احساس ان کے مزاج میں شدت سے پیوست تھا۔ مثلاً! خودی ایک طرف فوق البشر بننے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ دوسری خودی شیطانی ہے جو ہلاکت و خسران کی دعوت دیتی ہے۔ وہی انسان کائنات کی آرائش و زیبائش کے فرائض انجام دیتا ہے اور وہی انسان اسکی بربادی اور مسماری کے سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ غرض یہاں تخریب و تعمیر دونوں مضمر ہیں۔

اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر
اگر ہر صلح تو رعنا غزالِ تاتاری

# فکرِ اقبال کی تہذیب و تربیت کے سرچشمے

●

اس بات پر تمام محققین اور اقبال کے سوانح نگاروں کا اتفاق ہے کہ اقبال کی تربیت ایک صالح مذہبی ماحول میں ہوئی۔ اقبال کی ولادت شیخ نور محمد کے گھر میں ہوئی۔ اونچی چھتوں والے چھوٹے چھوٹے کمرے، مشرق کے رخ پر کھلنے والے روشندان کچے صحن اور ایک مُبہم سے نشیب میں واقع ڈیوڑھیوں کے بیچ زندگی کرنے کا عمل انسانی اور فطری ہو جاتا ہے۔ اقبال ایسے ہی سادہ طرز کے گھر میں پروان چڑھے، جو آجکل کے مکانوں کی طرح بس کر نکریٹ کا ڈھیر نہ تھا بلکہ مٹی کے گہراؤ سے پھوٹنے والی ایک صورت، جس میں ایک خدا آباد باطن بھی شامل تھا۔ ہمارے زمانے کی بے معنی سہولتوں سے پاک اس گھر کے غیر مصنوعی ماحول میں اقبال نے آنکھ کھولی۔ اس میں اونچی اور ناہموار اینٹوں سے بنے فرش کے درمیان اٹل طریقے سے چھائی ہوئی گہری اور جھٹپٹی سی فضا میں بولنا اور سیکھنا، جو باپ کی آواز میں تحکم کی گونج پیدا کر دیتی ہے اور ماں کے آغوش کی گرمی کو اور بڑھا دیتی ہے اور چراغ کی روشنی میں پڑھنا شروع کیا، جو

چیزوں کے باطن پر چمکتی ہے، ان کا باطن کھولتی ہے، مگر ان کے ضروری ابہام کو برقرار رکھتی ہے۔

شیخ نور محمد دیندار آدمی تھے، بیٹے کے لئے دینی تعلیم کو کافی سمجھتے تھے۔ سیالکوٹ کے اکثر علمأ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ اقبال بسم اللہ کی عمر کو پہنچے تو انہیں مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے۔ مولانا ابو عبداللہ غلام حسن محلہ شوالہ کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ شیخ نور محمد کا وہاں آنا جانا تھا۔ یہاں سے اقبال کی تعلیم کا آغاز ہوا، حسبِ دستور قرآن پاک سے ابتدا ہوئی۔ تقریباً سال بھر تک یہ سلسلہ چلتا رہا، کہ ایک دن شہر کے نامور عالم مولانا سید میر حسن ادھر آنکلے۔ ایک بچے کو بیٹھے دیکھا کہ صورت سے عظمت اور سعادت کی پہلی جوت چمکتی نظر آرہی تھی۔ پوچھا کہ کس کا بچہ ہے۔ معلوم ہوا تو وہاں سے اٹھ کر شیخ نور محمد کی طرف چل پڑے۔ دونوں آپس میں قریبی واقف تھے۔ مولانا نے زور دے کر سمجھایا کہ اپنے بیٹے کو مدرسے تک محدود نہ رکھو۔ اس کے لئے جدید تعلیم بھی بہت ضروری ہے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اقبال کو ان کی تربیت میں دے دیا جائے۔ ان کا مکتب شیخ نور محمد کے گھر کے قریب کوچہ میر حسام الدین میں تھا۔ یہاں اقبال نے اردو، فارسی اور عربی ادب پڑھنا شروع کیا۔ تین سال گذر گئے۔ میر حسن ان عظیم استادوں کی یادگار تھے جن کے لئے زندگی کا بس ایک مقصد ہوا کرتا تھا۔ پڑھنا اور پڑھانا۔ یہ پڑھنا اور پڑھانا نری کتاب خوانی کا نام نہیں۔ اچھے زمانے میں استاد مرشد ہوا کرتے تھے۔ میر حسن بھی یہی کیا کرتے تھے۔ تمام اسلامی علوم سے آگاہ تھے، جدید علوم پر بھی اچھی نظر تھی۔ اس کے علاوہ ادبیات

معقولات، لسانیات اور ریاضیات میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ایک شعر کو کھولنا ہوتا تو بیسیوں مترادف اشعار سنا ڈالتے۔ قرآن کے حافظ بھی تھے اور عاشق بھی اور شاگردوں میں شاہ صاحب کہلاتے تھے۔

اقبال کی مجموعی تشکیل میں جو عناصر واجز اُبنیادی طور پر کار فرما نظر آتے ہیں، ان میں سے بیشتر سید میر حسن کی صحبت اور تعلیم کا کرشمہ ہیں۔ میر حسن کی درسگاہ سے اقبال کے فکری منابع کی نشوونما ہوئی، چنانچہ ان کے فکر کا بنیادی سرچشمہ قرآن مجید ہے۔اقبال نے اپنی قوم کو جس لافانی پیغام سے نوازا اس میں واضح طور پر قرآنی احکام وقوانین کا عکس ملتا ہے۔اقبال کے خیال میں قرآن مجید سے بڑھکر کوئی کتاب مستند اور معتبر نہیں، اقبال نے اپنی شاعری کے ہر موضوع کو قرآن کی روشنی میں نظم کیا ہے۔ کوئی بھی شعر قرآن کے پیغام اور روح سے علیحدہ نہیں۔اقبال کے نزدیک قرآن مجید ہدایت انسان کے لئے آخر صحیفہ ہے۔اس کا مطالعہ خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والوں پر کائنات کے اسرار و معارف کھل جاتے ہیں۔ اقبال قرآن پاک کو احکامِ الہیٰ کا مکمل ضابطہ اور دستور حیات تصور کرتے تھے، جس میں شخصی کردار، کسبِ معاش، معاشرت، اجتماعی زندگی، تقویٰ و طہارت، تقسیم دولت و توازنِ دولت، صنعت و تجارت اور صلح و جنگ کے تمام مسائل و مشکلات کا جامع حل سامنے آتا ہے، اور انسان سب سے بڑھ کر مخلوق کی غلامی سے آزاد ہو کی خالقِ حقیقی کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔اقبال کے نقطہ نگاہ میں قرآن کے بغیر مسلمان ہونا ناممکن ہے،

گر تومی خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقران زیستن

اقبال نے اپنی مثنوی میں ایک جگہ "عرضِ حال مصنف بحضور رحمتہ للعلمینؐ" میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان کی ساری شاعری قرآن کے محور کے گرد ہی گردش کر رہی ہے۔ چنانچہ حضور اکرمؐ سے عرض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یارسولؐ اللہ دنیا کی صبح آپ کی ذات بابرکات سے روشن ہے اور آپ سینوں میں چھپے خیالوں اور احساسوں پر نظر رکھتے ہیں۔ اگر میری شاعری میں قرآن کے بغیر اور کچھ موجود ہے تو پھر قیامت کے دن مجھے رسوا کر دیجئے اور مجھے اپنے پائے نازنین کو چومنے کی سعادت سے محروم کر دیجئے۔ احترام قرآن اور احترامِ رسالت سے مملو یہ اشعار اپنے اندر سوز و گداز کا ایک عالم سموئے ہوئے ہیں

گر دلم آئینہ بے جوہر است
ور بہ حرفم غیر قرآں مضمر است
اے فروغت صبحِ اعصار و دہور
چشمِ تو بینندۂ مافی الصدور
پردۂ ناموس ِ فکرم چاک کن
این خیابان را زخارم پاک کن
تنگ کن رختِ حیات اندر بزم
اہل ِ ملت را نگہدار از شرم

خشک گرداں بادہ در انگورِ من
زہر ریز اندر مئے کافورِ من
روز، محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

اقبال انسانیت کے پیچیدہ ترین مسئلوں کا حل قرآن کریم کو تصور کرتے تھے۔ قرآن کو زندگی کی ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ اور روشنی کا حقیقی مرکز بتا کر اس کے بتائے ہوئے اصولوں پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآن باز خواں اہلِ نظر را
نمی دانی کہ سوزِ قرأت، تو
دگر گوں کرد تقدیر امم را

اقبال قرآن پاک کو وہ دستور حیات سمجھتے ہیں جو ہماری اُخروی زندگی ہی نہیں، بلکہ دنیاوی زندگی کے سبھی شعبوں میں کامل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ دراصل کسی فرد کے وجود اور استحکام کے لئے اساسی اور بنیادی ضابطے لازم ہیں، جو ان کے فکر و تدبر اور اعمال و افعال کو صحیح خطوط پر چلائیں۔ مسلمانوں کے لئے ایسا آئین اور ضابطہ قرآنِ حکیم ہے۔ اقبال نے رموز بے خودی میں "در معنی ایں کہ نظام ملت غیر از آئین صورت نہ بندد، و آئین ملت، محمدیہ قرآن است" کے عنوان سے امت اسلامیہ کی صلاح و فلاح کے لئے قرآن مجید کی تعلیمات اور اس کی آئینی حیثیت کی وضاحت کی

ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ ملت، آئین خداوندی سے ایک نظام حاصل کرتی ہے اور جو نظام اس بنیاد پر قائم ہو، اسے دوام حاصل ہوتا ہے۔ شارع نیک و بد کی حقیقت سے بخوبی واقف ہے، اس نے تیرے لئے یہ قدرتی اور فطری آئین مقرر کر دیا ہے، تو اس پر عمل کر کے لوہے کی طرح سخت اور مضبوط بن جائے گا۔ یہ جان لے کہ دینِ مصطفویؐ دین حیات ہے اور آپ کی شریعت اس آئینِ حیات کی تفسیر ہے، اگر تو زمین کی طرح پامال ہے تو یہ آئین تجھے آسمان کی طرح سر بلند کر دے گا، بلکہ خدا تجھے اس سے بڑھ کر جو چاہے بنا دے گا۔ اس آئین کے مستقبل سے پتھر آئینے کی طرح روشن ہو جاتا ہے، اور اس سے لوہے کے سارے زنگ دور ہو جاتے ہیں

ملّت از آئینِ حق گیرد نظام
از نظامِ محکمے خیزد دوام
شارعِ آئین شناسِ خوب وزشت
بہر تو ایں نسخہ قدرت نوشت
از عمل آئین عصب می سازدت
جاے خوبے درجہاں اندازدت
خستہ باشی استوارت می کند
پختہ مثلِ کوہسارت می کند
ہست دینِ مصطفیٰؐ دینِ حیات
شرع او تفسیر آئینِ حیات

گر زمینی آسماں سازد ترا
آنچہ حق می خواند آن سازد ترا
صیقلش آئینہ سازد سنگ را
از دلِ آہن رباید زنگ را

اس آئین زندگی اور دستور حیات سے جب ملت اسلامیہ نے اپنا رشتہ منقطع کر دیا وہ زوال پذیر ہونے لگی۔ وہ مسلمان جو شیر کو ایک معمولی بکری کی طرح شکار کر لیتا تھا اب چیونٹی اس کے پاؤں میں آجائے تو چیخ اٹھتا ہے، جسکی تکبیر سے پتھر پانی ہو جاتے تھے، اب وہ بلبل کے چہچہے پر تڑپ جاتا ہے۔ جس کا عزم و ارادہ پہاڑ کو تنکا جانتا تھا، اس نے خود کو توکل کے سپرد کر کے اپنے آپ کو لاچار بنا رکھا ہے۔ جسکی ایک ضرب سے دشمنوں کی گردنیں ٹوٹ جاتی تھیں، سینہ کوبی سے اب خود اس کا دل خستہ و رنجور ہے۔ جس کے اقدامات سے نئے نئے ہنگامے جنم لیتے تھے، یہ اب گوشۂ عزلت میں پاؤں توڑ کے بیٹھ گیا۔ جس کے حکم پر ساری دنیا چلتی تھی اور جس کے دروازے پر سکندر و دارا بھکاری بن کر آئے تھے، اب سعی و جہد ترک کر کے قناعت کے نام پر خود کشکول گدائی لئے بیٹھا ہے۔

تا شعار مصطفیٰؐ از دست رفت
قوم را رمز بقا از دست رست
آن کہ کشتے شیر راچوں گوسفند
گشت از پامال مردے دردمند

آنکہ از تکبیر اوسنگ آب گشت
از صفیر بلبلے بے تاب گشت
آنکہ عزمش کوہ را کاہے شمرد
باتوکل دست و پائے خود سپرد
آنکہ خربش گردن اعدا شکست
قلبِ خویش از ضرب ہائے سینہ خست
کوشش او باقناعت ساز کرد
تابہ کشکولِ گدائی ناز کرد

اقبال نے ایک طویل عرصے تک قرآن مجید کا مطالعہ پورے غور و فکر کے ساتھ کیا تھا۔اس کے اسرار ورموز کو سمجھنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔ قرآن کے سمندر سے موتی چن لئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ صبغتہ اللہ کیا ہے؟اس رمز کو میں نے پورے شرح وبسط سے بیان کر دیا ہے۔ میرے سوز و گداز اور تب و تاب سے تو بھی اپنا حصہ حاصل کر لے۔اس لئے کہ میرے بعد کوئی ایسا مردِ فقیر تجھے نہیں ملے گا۔جو ان اسرار کو بیان کرے۔ میں نے مسلمانوں کے دل کو سوز و غم سے آشنا کر دیا،اور اس پرانی بوسیدہ شاخ کو پھر تری تازگی بخشی۔ میں نے صرف شوق سیکھا اور اس آگ میں سلگتا رہا۔ مجھے آہِ صبگاہی کی نعمت عطا ہوئی ہے،ایک تنکے کو پہاڑ کی سطوت بخش دی گئی۔ گویا میرے سینے میں لاالٰہ الااللہ کا نور روشن ہے۔

خاوراں از شعلۂ من روشن است
اے خنک مردے کہ در عصر من است

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر
بعد از یں ناید چو من مردِ فقیر
گوہر دریاے قرآن سفتہ ام
شرح رمز صبغۃ اللہ گفتہ ام
بامسلماناں غمے بخشیدہ ام
کہنہ شاخے را نمے بخشیدہ ام
دارم اندر سینہ نورِ لا اِلٰہ
در شرابِ من سرورِ لااِلٰہ

اقبال اپنے قرآنی مطالعہ کا نچوڑ اور اپنے غور و فکر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا سرمایہ کتاب و حکمت ہے۔ یہی وہ دو قوتیں ہیں جن سے ملت کو عزت و آبرو حاصل ہوتی ہے۔ دنیائے ذوق و شوق کی فتوحات ہوں یا عالم بالا کی فتوحات، سب خدا کے انعامات ہیں جو مومنوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ یہی جمالی اور جلالی شان کی نمود ہے، جو مومن کی شانِ امتیاز ہے اگرچہ تجھے دوام و ثبات مطلوب ہے تو قرآن سے خوشہ چینی کر۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس کے ضمیر میں آبِ حیات موجود ہے قرآن ہم کو لاتخف (دنیا کی کسی طاقت سے خوف مت کھاؤ) کا پیغام سناتا ہے اور ہمیں اس مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ ہم اس حالت اور کیفیت میں ڈوب جائیں۔

برگ و ساز ما کتاب و حکمت است
ایں دو قوت اعتبار ملت است

آں فتوحاتِ جہانِ ذوق و شوق
ایں فتوحاتِ جہان تحت و فوق
ہر دو انعامِ خدائے لا یزال
مومناں راآن جمال است این جلال
برخور از قرآن اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد مارا پیامِ لا تخف
می رساند بر مقام لا تخف

"جاوید نامہ" میں اقبال اپنے ارتقائے روحانی میں فلکِ عطارد پر جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا سے ملاقات کرتے ہیں۔ اقبال ان کی روحوں سے سوالات کرتے ہیں اور یہ پاک ارواح جواب میں ظاہر و باطن کے عقدے حل کرتی ہیں۔ اسی میں حضرت جمال الدین افغانی کی زبانی آپ ملتِ روس کو پیغام دیتے ہیں کہ تم مسلمانوں کے موجودہ رسم و رواج کو دیکھ کر صحیح رائے پر نہیں پہنچے۔ اسلام کا آئین قرآن ہے۔ منزل و مقصودِ قرآن وہ نہیں ہے جو تم کو مسلمانوں میں نظر آتا ہے۔ مسلمان کے دل میں آج ایمان کی آگ نہیں بھڑ سکتی۔ اس کے سینے میں محمد رسول اللہ کی محبت زندہ نہیں۔ اس نے قرآن کی تعلیمات سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ اس کا ذرا سا بھی اثر آج اس میں نہیں پایا جاتا۔ مسلمان نے قرآن کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر قیصر و کسریٰ کا طلسم توڑا تھا اور افسوس کہ وہ پھر خود ہی بادشاہت و ملوکیت کے تخت پر متمکن ہوا۔

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است
رسم و آئین مسلمان دیگر است
دردل او آتش سوزندہ نیست
مصطفیٰ ؐ در سینۂ او زندہ نیست
بندۂ مومن زقرآن بر نخورد
در ایاغ او نہ مے دیدم نہ دُرد
خود طلسم قیصر و کسریٰ شکست
خود سر تختِ ملوکیت گرفت

اقبال نے اپنی فارسی شاعری میں اسقدر شرح و تفصیل کے ساتھ قرآنی افکار و نظریات اور عقائد کی وضاحت کی ہے کہ پورا کلام قرآن پاک کی شعری تفسیر محسوس ہوتا ہے۔ جابجا قرآنی تلمیحات اور آیات کا استعمال ان کے قرآن کے ساتھ گہرے لگاؤ، عشق اور شغف کی عکاسی کرتا ہے۔ فقیر وحیدالدین نے اپنی تالیف روزگار فقیر جو شاعر مشرق سے چند ملاقاتوں کی یادداشت پر مشتمل ہے، میں دو اہم واقعات درج کئے ہیں، جن کا یہاں پر تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پہلا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنی میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں قیام فرما تھے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کی قیام گاہ پر ایک نئے ملاقاتی آئے، ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک سوال کیا۔ کہنے لگے آپ نے مذہب، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ اور فلسفہ وغیرہ پر جو کتابیں اب تک پڑھی ہیں، ان میں سب سے زیادہ

بلند پایہ اور حکیمانہ کتاب آپکی نظر سے کون سی گزری ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس سوال کے جواب میں کرسی سے اٹھے اور نووارد ملاقاتی کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا کہ تم ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلے گئے۔ دو تین منٹ میں واپس آئے، تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ اس کتاب کو انہوں نے اس شخص کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے فرمایا۔ "قرآن حکیم"

دوسرا واقعہ اس طرح فقیر وحید الدین نے تحریر کیا ہے۔

"بعض ایسے لوگ بھی مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں' جو نہ عربی زبان و ادب میں خاطر خواہ استعداد رکھتے ہیں۔ نہ عرب قدیم کے علمی سرمایہ پر انکی نگاہ ہے' نہ قرآن حکیم کو ٹھیک طور پر سمجھ سکتے ہیں' مگر اپنی علمی تہی مائیگی کے باوجود قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کی کوشش فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اس قسم کی باتوں سے بڑی اذیت ہوتی تھی۔ وہ اپنی متانت' سنجیدگی اور عالی ظرفی کے باوجود اس غم کو چھپا نہ سکے۔ ایک بار فرما ہی دیا۔ قرآن کریم اس اعتبار سے بڑا ہی مظلوم صحیفہ ہے کہ جسے دنیا میں اور کوئی کام نہیں ملتا وہ اس کے ترجمہ و تفسیر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ نہایت ہی نازک اور محتاط ذمہ داری ہے۔"

اقبال نے اپنی کتابوں "اسرار و رموز" میں متعدد جگہ قرآنی آیات کا براہِ راست استعمال کیا ہے' اور شاعری میں قرآنی آیات' تلمیحات اور مواعظ و قصص کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ یہاں چند آیات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اقبال کی قرآن شناسی کا اندازہ ہو جائے۔

نبی اکرمؐ نے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فتح مکہ کا معرکہ جب سر کیا تو اس دن آپ اپنے بدترین دشمنوں سے انتقام لے سکتے تھے' لیکن تاریخ کے اوراق پر یہ بات ثبت ہے کہ آپ نے مکہ میں فاتحانہ داخلہ پاتے ہی عام معافی کا اعلان فرمایا' اور وہی سلوک روا رکھنے کا وعدہ کیا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے سوتیلے بھائیوں سے کیا تھا۔ لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر الله لکم وھو ارحم الرّحمٰین ۔اقبال اس واقعہ کو یوں سمیٹتے ہیں۔

آنکہ بر اعداٗ درِ رحمت کشاد

مکہ را پیغام لا تَثریب داد

اسرار خودی میں ترتیب خودی کے تین مرحلوں کا ذِکر کرتے ہوئے مرحلہ اول یعنی اطاعت کے زیر عنوان مختلف نکات پر بات کرتے ہوئے اس آیۂ کریمہ کا حوالہ دیا گیا جہاں فرمایا گیا لوگوں کے لئے نفسانی خواہشات کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور لوٹنے کا بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

زین للناس حب الشھوت من النساء و النبین' و القناطیر المقنطرة من الزھب والفضه و الخیل المسو مة و الانعام و الحرث ۔ذالك متاع الحیوٰة الدنیا۔ و اللّٰه عنده حسن المٰا ب

تو ہم از بارِ فرائض سر متاب
بر خوری از عندہ حسن المآب

تربیت خودی کے مرحلہ دوم ضبط نفس میں اقبال نے قرآن پاک کی دو آیتوں کا سہارا لیکر تلقین صلوٰۃ اور ترغیب زکوٰۃ کی ہے۔

درکفِ مسلم مثال خنجر است
قاتلِ فحشاء و بغی و منکر است

اِن الصلوۃ تنھٰی عن الفحشاء و المنکر والبغی

حُبِ دولت را فنا سازد زکوٰۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل زحتیٰ تُنفِقُو محکم زند
زر فزاید الفت زر کم کند

مرحلہ سوم یعنی نیابتِ الاہی میں انسانی صفات و خصوصیات اور خصائص کا تذکرہ بڑے بلیغ انداز میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مدعائے علم الاسماستے
سرِ سبحان الذی اسراستے
وعَلّم ادم الاسماء کلھا

اور

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الیِ المسجد

الاقصی الذی برٰکنا حولہ، لنریہُ مِن ایاتِنا

اسرارِ خودی میں مسلمانوں کی زندگی کا مقصدِ حقیقی اعلائے کلمتہ اللہ اور اسلام میں حرصِ ارضی کی حرمت بیان کرتے ہوئے دل کو خدا کے رنگ میں رنگنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قلب را از صبغتہ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام وننگ دہ

صبغتہ اللہ ومن احسن من اللہ صبغتہ۔ ونحن لہ عٰبدون

رموزِ بے خودی کے اٹھائیس عنوانات میں اولین عنوان "توحید" کی وضاحت و صراحت کرتے ہوئے اقبال ابراہیمی ایمان ویقین کی یاددہانی کراتے ہیں۔

ھواجتبٰکم وماجعل علیکم فی الدین من حرج۔ملّۃ ابیکم ابرٰھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل و فی ھذا۔

ما مسلمانیم و اولادِ خلیلؑ
از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل

رموز کے دوسرے باب "در معنی ایں کہ یاس و حزن از اُم الخبائث است" میں اقبال مسلمانوں سے مایوسی اور ناامیدی کو دلوں سے دور کرنے اور عزم و توکل کو سینوں

مین مستحکم کرنے کی اہمیت قرآن کی اس آیت کے توسط سے سمجھاتے ہیں، جہاں رسولؐ اللہ کے غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ پناہ گزین ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

اذیقول لصا حبه لا تحزن انِ الله معنا۔

اقبال یہ منظریوں پیش کرتے ہیں۔

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبیؐ تعلیم لا تحزن بگیر
ایں سبق صدیق را صدیقؓ کرد
سر خوش از پیمانۂ تحقیق کرد
گر خداداری ز غم آزاد شو
از خیالِ بیش و کم آزاد شو

اسلام نے شرافت و نجابت اور عظمت و بزرگی کا معیار تقوی قرار دیا ہے۔ تقویٰ کی صفت کے بغیر دینداری کا دعویٰ ادھورا ہے۔ یہی تقویٰ نبی نوع انسان کے اندر اخوت و اُلفت کا بیش بہا جذبہ پیدا کرنے کا ضامن ہے اس ضمن میں اقبال نے "رموز بے خودی" میں اخوت و مساوات کے مختلف جہات کا تذکرہ دلپذیر پیرائے میں کیا ہے۔

مرسلان و انبیا آبائے او
اکرم او نزدِ حق اتقائے او

کلّ مومن اخوۃٌ اندر دلش
حریت سرمایۂ آب و گلش
ناشکیب امتیازات آمدہ
در نہاد او مساوات آمدہ

قرآن فرماتا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

اقبال کا فکر کلی طور پر قرآن کے گرد گردش کرتا نظر آرہا ہے۔ پوری دیانت داری سے دیکھا جائے تو یہ کہنے میں کوئی توقف نہیں ہونا چاہیے کہ اقبال کے افکار و تخیلات قرآنی علوم کے سرچشموں سے فیضیاب ہیں اور وہ اس بات پر گہرا درد اور کرب محسوس کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب وہ مسلم معاشرہ کو قرآنی تعلیمات سے نابلد اور ناآشنا پاتے ہیں۔ وہ تڑپ تڑپ کر اور آہیں بھر بھر کر شکوہ سنج ہیں کہ برہمن اپنے طاقچے کو بتوں سے سجائے ہوئے ہے اور مسلمان قرآن پاک کو ریشم کی غلاف میں لپٹے ہوئے اپنے کمرے کے طاقِ نسیان میں رکھے اس کی تلاوت سے دور پڑا ہے۔

برہمن از بتاں طاقِ خود آراست
تو قرآں را سر طاقے نہادی

اور دوسرے موقعے پر ملت سے یہ شکوہ کرتے ہیں کہ قرآن جو روشنی، نور، حکمت اور ہدائت کا پیغام لیکر آیا تھا اس کو بھلا کر ملت اسلامیہ اسے وقت نزع کی آسانی کیلئے تلاوت کرتی ہے۔

زآیاتش ترا کارے جزایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

اقبال کے رفقاء واحباب کا یہ متفقہ تاثر ہے کہ زندگی کے آخری برسوں میں اقبال عشق قرآن اور عشق رسولؐ میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔ قرآن کی تلاوت روتے روتے اونچی آواز میں کرتے۔ اقبال بڑے خوش لحن تھے، چنانچہ آخری ایام میں انکی آواز میں جو فرق آگیا تھا اس کا انہیں کافی قلق تھا۔ کیونکہ وہ قرآن خوش الحنی سے پڑھ نہیں سکتے تھے۔ اقبال کے فکر کا یہ اہم سرچشمہ ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتا تھا۔ اور وہ اپنے قاری کو قرآن میں غوطہ زن ہونے کی تاکید فرماتے تھے۔ قرآن کے بارے میں ان کا یہ نظریہ تھا کہ یہ کتاب صرف تلاوت اور فیض و برکت کیلئے ہی نہیں بلکہ تدبر، تفکر رہنمائی اور رہبری کے اصول اخذ کرنے اور انہی اصولوں کے مطابق زندگی استوار کرنے کی حامل کتاب ہے۔ یہ کتاب ان کے نزدیک انسانی اخلاق تمدن، اور حیات اجتماعی میں توازن پیدا کرنے کی تحریک دیتی ہے اور انسان کا رشتہ اس کے خالق حقیقی سے جوڑ دیتی ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے عطا تجھے جدتِ کردار

اقبال کے فکر و نظر کا دوسرا اہم اور اساسی سرچشمہ رسول اللہؐ کی ذات بابرکات ہے۔ اس ذات کے ساتھ عقیدت، محبت، عشق، وابستگی، شیفتگی اور وارفتگی کو اقبال ایمان کا خاصہ اور اسلام کا تقاضہ قرار دیتے ہوئے اس مرکز پر قائم رہنے کی بہ شدت تاکید کرتے ہیں۔ حضور نبی کریمؐ کی نبوت، رسالت اور شریعت کی بنیادی اہمیت پر

انہوں نے کافی زور دیا ہے اور رسالت سے ہی اپنے آئین اور تکوین حیات کو وابستہ کیا ہے۔ دنیائے انسانی کی جملہ شخصیات کا احترام کرتے ہوئے اقبال رسول اللہ ﷺ کی قائدانہ اور آفاقی حیثیت کو دلائل و براہین سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سرشاری سرمستی، آفتاب محمدیؐ کے انوار و تجلیات کی شعاعیں ہیں۔ یہ نصیب میں آگئیں تو سب کچھ مل گیا۔ جب تک اس کا سوز انسان میں ہے۔ اس وقت تک اسے حقیقی زندگی میسر ہے۔ یہی قوت ہے جس سے یقین وایمان میں استواری آتی ہے اور ان کی حفاظت ہوتی ہے۔ نبی کریم کو ایک بحر بے پایاں بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسکی لہریں آسمان کو مس کرتی ہیں۔ تم بھی اس سمندر سے سیرابی حاصل کرو تاکہ تمہیں نئی زندگی نصیب ہو اور تمہاری وہ بھولی بسری کیفیات جنہیں مادّی دنیا نے تم سے چھین لیا ہے ازسرِ نو تم کو فراہم ہو جائیں۔

می ندانی عشق و مستی از کجاست — ایں شعاعِ آفتاب مصطفےٰؐ ست

زندہ تا سوزِ اودر جانِ تست — ایں نگہ دارندۂ ایمانِ تست

مصطفےٰؐ بحر است موجِ او بلند — خیز وایں دریا بجوے خویش بند

اسرار خودی میں رسولؐ اور عظمت رسولؐ کا احاطہ کرتے ہوئے اس مضمون کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہماری آبرو محمد مصطفےٰؐ کی ذات والا سے ہے۔ مسلمان کے دل میں حضورؐ کی محبت جاگزیں ہوئی ہے۔ وہ ذات گرامی جس نے خود بوریے پر لیٹ کر زندگی گزاری، مگر اپنی امت کو وہ فروغ بخشا کہ کسریٰ کا تاج ان کے قدموں تلے روندا گیا۔ انہوں نے غارِ حرا کی تنہائی میں راتیں بسر

کیں اور اس طرح ایک قوم، ایک آئین اور ایک حکومت دنیا کے سامنے پیش کی۔ آپ کی راتیں شب بیداری میں گزریں، تاکہ آپ کی اُمت تختِ خسروی پر متمکن ہو، میدانِ جنگ ہو تو آپ کی تلوار لوہے کو ٹکڑے کردے، مگر خود نماز میں کھڑے ہو کر اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے اشکبار رہتے۔

دردِل مسلم مقام مصطفیٰؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است
طور موجِ از غبار خانہ اش
کعبہ را بیتُ الحرم کا شانہ است
در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شب ہا چشم او محروم نوم
تا بہ تخت خسروی خوابید قوم
وقتِ ہیجا تیغ او آہن گداز
دیدۂ او اشکبار اندر نماز

رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ اور اخلاقِ عالیہ سے وابستہ حالات وواقعات سے اقبال کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی ان کے سامنے حضورؐ کا ذکر، ان کا کوئی واقعہ سنایا جاتا تو وہ بے اختیار رو پڑتے اور کبھی کبھی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ بظاہر انہوں نے حج کا فریضہ انجام تو نہیں دیا لیکن عالمِ تخیل میں ان کا سفرِ حجاز اپنے اندر عشق و رقت

کے سینکڑوں مضامین چھپائے ہوئے ہے۔ وہ عالمِ تخیل میں قافلۂ شوق کے ساتھ نرم ریگستانی زمین پر رواں دواں ہیں۔ ذوقِ حضوری اور شوقِ محبت میں یہ ریت ان کو ریشم سے بھی زیادہ ملائم محسوس ہو رہی ہے۔ وہ ساربان سے کہتے ہیں کہ دھڑکتے ہوئے دلوں کا خیال کرے اور نرم روی اختیار کرے۔

چہ خوش صحرا کہ شامش صبح خندہ است
شبش کوتاہ و روزِ او بلند است
قدم اے راہ رو آہستہ تر نہ
چوما ہر ذرہ اور . درد مند است

اقبال کا یہ روحانی سفر اس زمانے میں ہوا جب وہ ساٹھ سال کی عمر سے تجاوز کر چکے تھے۔ قویٰ کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن رسول اللہ کو اپنی منزل اور مطلوب و مقصود قرار دیتے ہوئے وہ اپنی حالتِ زار کا نقشہ یوں پیش کر چکے ہیں

بایں پیری رہِ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام
کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

اقبال نے اپنی ایک چھوٹی ہمشیرہ کو خط میں ایک بار یہ لکھا کہ

"میں جو اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ

پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے۔ اگر یہ قویٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسولؐ کی میں کوئی خدمت کر سکتا اور جب مجھے یاد آتا ہے کہ والدِ مکرم مجھے دینی علوم ہی پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس کے صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا۔ بہر حال جو کچھ خدا کے علم میں تھا، ہوا۔ اور مجھ سے جو بھی کچھ ہو سکا، میں نے کیا لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے تھا اور زندگی تمام و کمال نبی کریمؐ کی خدمت میں بسر ہونی چاہیے۔"

یہ جملے احساسِ ندامت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ حقیقت میں اقبال کا پورا کلام ذاتِ رسالت مآبؐ کے عشق، محبت اور آپؐ کے پیغام کی ترجمانی سے مالامال ہے اور اس میں جا بہ جا عشق و عقیدت کے روشن جواہر پارے نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام اور پیغام کو علمائے ادب اور علمائے دین دونوں نے بہت سراہا، پسند کیا اور سنت مطہرہ پر عامل علماء نے بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کم و بیش تیس سال تک ملک و ملت کی کروڑوں نفوس کے سامنے آفتاب بنکر چمکے۔ ایسا آفتاب جس کی تاب ناکی اور حرارت آفرینی نصف صدی کے بعد بھی نصف النہار کی شان رکھتی ہے اور

عالم اسلام روز بہ روز ان سے زیادہ تب و تاب، روشنی اور توانائی حاصل کر رہا ہے۔ بر صغیر سے باہر عالم اسلام میں بھی اقبال کے افکار و خیالات کا قافلۂ شوق رواں دواں نظر آرہا ہے۔ اصل میں عالم اسلام اقبال کی قدر منزلت ان ہی کی زندگی میں شروع ہو گئی تھی۔ لندن میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد روم سے ہوتے ہوئے جب اقبال یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو مصر پہنچے تو ان کا پر جوش استقبال کیا گیا۔ اسکندریہ اور قاہرہ میں مصری حکومت کے نمائندوں، علماء ازہر، صحافی شبان المسلمین کے ارکان جوق در جوق ان سے ملاقی ہوئی۔ چنانچہ مصر کے مشہور روحانی بزرگ ابوالعزائم سید محمد ماضی اپنے دو صاحبزادوں کے ہمراہ اقبال سے ملنے کیلئے ان کے ہوٹل میں آگئے۔ اقبال ان کے یوں تشریف لانے پر بے حد پریشان ہوئے۔ عرض کیا۔

"حضرت آپ نے کیوں تکلیف کی۔ میں خود زیارت کیلئے حاضر ہو جاتا۔"

انہوں نے فرمایا۔ "خواجہ دو جہاںؐ کا ارشاد ہے جس نے دین سے تمسک کیا ہو، اسکی زیارت کو جاؤ گے تو مجھے خوشی ہو گی۔ لہذا میں اس ارشاد کی تعمیل میں چلا آیا ہوں کہ میرے آقاؐ مجھ سے خوش ہوں"۔

یہ سن کر اقبال بے چین ہو گئے اور ان سے کچھ کہا نہ گیا۔ چپ بیٹھے۔ سید ابوالعزائم کے پند و نصائح سنتے رہے۔ وہ تشریف لے گئے تو اقبال کا ضبط ٹوٹ گیا اور آنسوؤں کے دھارے چھوٹ پڑے۔ فرمایا۔ "ایسا زمانہ بھی آگیا ہے کہ لوگ مجھ جیسے گناہ گار کو متمسک بالدین سمجھ کر حضور خواجہ دو جہاںؐ کے ارشاد کے اتباع میں بغرضِ خوشنودیٔ آنحضرتؐ ملنے آتے ہیں۔"

اگلے دن جب اقبال ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اور دوسرے اہل علم سے ملاقاتوں میں مصروف تھے۔ سید ابوالعزایم کے صاحبزادے کار لے کے آگئے کہ والد صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ اقبال وہیں ان کے مکان پر حاضر ہوئے۔ وہاں ان کے بہت سارے مرید موجود تھے سید ابوالعزایم نے مسلانوں کی حالت زار بیان کرتے ہوئے کہا کہ کفار کروڑوں مسلمانوں پر اس لئے مسلط ہیں کہ انہوں نے اسلام کی روح کو ترک کر دیا۔ پھر اقبال کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ۔

"اس دل میں اسلام کی محبت اور رسول اللہؐ کی خاص شیفتگی ہے"

رسول اللہؐ کے ساتھ اقبال کی شیفتگی اور دربار رسالت سے ان کی وابستگی کے کئی چونکا دینے والے واقعات اقبال کی سوانحی کی کتابوں میں درج ہیں۔ فقیر وحید الدین نے "روزگار فقیر" جلد دوم میں "گمنام خط" کے عنوان سے ایک اہم واقعہ بیان کیا ہے ،لکھتے ہیں۔

"شیخ اعجاز نے مجھے بتایا کہ ۱۹۳۰ء کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کے نام ایک گمنام خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ نبی کریمؐ کے دربار میں تمہاری ایک خاص جگہ ہے جس کا تم کو کچھ علم نہیں۔ ایک وظیفہ کے الفاظ بھی اس خط میں لکھے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خیال سے کہ کاتبِ خط نے اپنا نام نہیں لکھا۔ اس گمنام خط کی طرف توجہ نہیں کی اور وہ خط ضائع ہو گیا۔

اس خط کے تین چار مہینے بعد کشمیر سے ایک پیرزادہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے کیلئے آئے۔ عمر تیس پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ بشرے سے شرافت اور چہرے

مہرے سے ذہانت کا اظہار ہوتا تھا۔ اس شخص نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگی کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے خیال کیا کہ یہ شخص مصیبت زدہ ہے اور پریشان حال ہے اور میرے پاس اپنی کوئی ضرورت لیکر آیا ہے۔ انہوں نے شفقت آمیز لہجے میں استفسار حال کیا تو وہ بولا کہ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا فضل و احسان ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مزید استفسار پر وہ بولا۔ میں سرینگر کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں (گاؤں کا نام شاید نوگام بتایا تھا) میں نے ایک دن عالمِ کشف میں نبی کریمؐ کا دربار دیکھا۔ صف نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو حضور سرور کائناتؐ نے دریافت فرمایا کہ محمد اقبال آیا یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ محفل میں نہ تھا۔ اس پر ایک بزرگ کو اقبال کے بلانے کیلئے بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آدمی، جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی اور رنگ گورا تھا، ان بزرگ کے ساتھ نمازیوں کی صف میں داخل ہو کر حضورؐ کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔

اس کشمیری پیرزادے نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے آج سے پہلے نہ تو آپ کی شکل دیکھی تھی، نہ میں آپ کا نام اور پتہ جانتا تھا۔ کشمیر میں ایک بزرگ مولوی نجم الدین صاحب ہیں۔ انکی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے آپ کا نام لیکر آپ کی بہت تعریف کی، کیونکہ آپ کی تحریروں کے واسطے سے وہ آپ کو جانتے تھے۔ گو انہوں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس دن سے مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ میں نے آپ کو دیکھنے اور آپ سے ملنے کے لئے کشمیر سے لاہور تک کا

یہ سفر کیا ہے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی میری آنکھیں اس لئے بے اختیار اشکبار ہو گئیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے کشف کی عالم بیداری میں تصدیق ہو گئی، کیونکہ جو شکل میں نے حالتِ کشف میں دیکھی تھی۔ آپ کی شکل و شباہت ٹھیک اسی کے مطابق ہے۔ سرِ مو فرق نہیں ہے۔ پیرزادے کی زبان سے اس گفتگو کو سن کر ڈاکٹر صاحب کو وہ گمنام خط یاد آ گیا۔ جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں آ چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سارے واقعے کی تفصیل اپنے والد بزرگوار کو ایک خط میں لکھی اور اس کا بھی اظہار کیا کہ مجھے سخت ندامت ہو رہی ہے اور روح شدید کرب و اضطراب میں مبتلا ہے کہ میں نے وہ خط کیوں ضایع کر دیا۔ اب آپ ہی اس کی تلافی کی کوئی تدبیر بتائیں، کیونکہ پیرزادہ صاحب کہتے تھے کہ آپ کے بارے میں جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ آپ کے والدین کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اس لئے آپ یا تو کوئی علاج و تدبیر بتائیں یا خاص طور سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس گرہ کو کھول دے۔"

اقبال اپنے بچپن سے آداب محمدیہ سے واقف کرائے گئے تھے اور اس میں ان کے نیک سیرت والدین کا گہرا عمل دخل تھا۔ اسرارِ خودی میں اقبال نے وہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب ایک سائل کو انہوں نے دھتکارا تو ان کے والد نے انہیں کیا کیا باتیں بتائیں اور رسول اللہؐ کے اخلاق و آداب اور رنگ و بو کو اختیار کرنے کی کس قدر تاکید کی۔ باپ کی گفتگو میں کیا جذباتی کیفیت تھی اس کا نقشہ اقبال نے یوں پیش کیا ہے۔

اندکے اندیش و یاد آر اے پسر — اجتماعِ امتِ خیر البشرؐ
باز ایں ریشِ سفیدِ من نگر — لرزۂ بیم و امیدِ من نگر

برپدر ایں جور نازیبا مکن　　پیش مولا بندہ را رسوا مکن
غنچۂ از شاخسار مصطفیٰؐ　　گل شو از باد بہار مصطفیٰؐ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت　　بہرہ از خلق او باید گرفت

اقبال اپنی شاعری میں بالخصوص فارسی کلام میں اخلاق نبوت سے تعلق رکھنے والے درجنوں واقعات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں اور پھر مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان واقعات کے اثرات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ایک جنگ میں حضور نبی کریمؐ کے سامنے حاتمِ طائی کی لڑکی قید ہو کر آئی۔ پابہ زنجیر تھی۔ بے پردہ مگر شرم سے سر جھکائے ہوئی تھی۔ رحمت دو عالمؐ نے لڑکی کو اس حال میں دیکھا تو اپنی چادر مبارک اس کے منہ پر ڈال دی۔ حاتمِ طائی کی لڑکی کی عریانی اور ملت اسلامی کی عریانی کا موازنہ کرتے ہوئے اور سرکار دو عالم ﷺ کی شفقت اور ہمدردی کا دلچسپ پیرائے میں تذکرہ کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں۔

ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم
پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم
روز محشر اعتبار ماست او
در جہاں ہم پردہ دار ماست او

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ گہری عقیدت اور احترام کا اس واقعہ سے بہتر کوئی اور مثال پیش نہیں کی جا سکتی ہے کہ اقبال نے یہ آرزو کی تھی انکی عمر نبی اکرم ﷺ کی عمر شریف سے تجاوز نہ کرنے پائے چنانچہ خلیفہ عبدالحکیم نے اس سلسلے میں روزگار فقیر کی جلد دوم میں لکھا ہے

"محترم حکیم احمد شجاع جو علامہ اقبال کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک ایسا واقعہ سنایا جس سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے کس درجہ والہانہ محبت اور بے پناہ عشق رکھتے تھے۔ یہ واقعہ دیکھنے اور پڑھنے میں بہت مختصر ہے مگر حقیقت میں عشق و محبت کا دفتر بے پایاں ہے۔

ایک روز حکیم صاحب موصوف علامہ کے مکان پر پہنچے تو علامہ کو بہت فکر مند، مغموم اور بے چین پایا۔ حکیم صاحب نے گھبرا کر دریافت کیا۔ خیریت تو ہے۔ آپ آج خلافِ معمول بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آتے ہیں۔ علامہ نے خاص انداز میں نظریں اوپر اٹھائیں اور غم انگیز لہجے میں فرمایا۔

احمد شجاع! یہ سوچ کر میں اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ ﷺ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے"۔

چنانچہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات کے وقت اقبال کی عمر صرف ۶۱ سال تھی یعنی حضور کی عمر سے ۲ سال کم۔

راہِ محمدی کو راہِ نجات تصور کرتے ہوئے وہ اپنے قارئین کو اسی راہ پر گامزن

ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہدایت، نجات، امن اور راحت کا ایک ہی ذریعہ ہے اووہ ہیں رسول اللہؐ۔

بہ منزل کوش مانند مہہ نو
دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو

# فکرِ اقبالؔ میں خودی کی اصطلاح

●

اقبال ایک نابغہ روزگار شاعر تھے۔ وہ اُردو اور فارسی کے شاعروں میں اپنی تعلیمی لیاقت، اہلیت اور سندِ فراغت کے اعتبار سے اپنے عہد میں بے مثال تھے۔ اپنے گہرے غور و فکر اور تدبر سے کام لیکر انہوں نے شاعری کے توسط سے ادبی دنیا کو چند نئے موضوعات اور افکار و نظریات سے آشنا کیا، جن کی طرف ما قبل شعراء کا ذہن کبھی منتقل ہی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ انسانی خصائل و فضائل کے بیان میں انہوں نے خودی کی اصطلاح کا اضافہ کیا۔

اقبال نے خودی کا لفظ جو بار بار استعمال کیا ہے، اس سے وہ کیا پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگلی سطور میں اس سے مختصراً بحث ہوگی۔ انسانی فکر کے دوسرے اعلیٰ اور نازک نظریات کی طرح خودی کی تعریف کرنا بھی مشکل ہے۔ آج نفسیات کی اصطلاح میں شخصیت کا جو مفہوم ہے، خودی اس کے بہت قریب ہے۔ انسانی زندگی مادی جسم اور ذہن و قلب کی غیر مادی قوتوں کے امتزاج کا نام ہے۔ تاریخ میں بیسیوں دور ایسے آئے ہیں، جب قوموں نے مادی جسم کی صحت و لذت کو زندگی کا ماحصل قرار دیا۔ جسم کو مضبوط و مستحکم اور سڈول بنانے پر ان کی ساری توجہ اور توانائی صرف ہوتی رہی۔

دوسری طرف کچھ ایسی قوتیں بھی اس کرۂ ارض پر ابھری ہیں۔ جنہوں نے مادی جسم کو سرے سے قابلِ اعتنانہ سمجھااور روح کی ترقی اور بالیدگی کیلئے ہر قسم کی عبادت وریاضت کو مقصودِ نگاہ بنائے رکھا۔ اقبال نہ ہی جسم کے قائل تھے اور نہ محض روح کے۔ وہ پوری انسانی زندگی کا نشوو ارتقاء چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جسمانی، اخلاقی اور روحانی قسم کی مروّجہ اصطلاحوں کو اپنانے سے گریز کیا۔ اس کے بجائے انہوں نے ایک ایسا لفظ 'خودی' اختیار کیا، جو ان کے نزدیک حیاتِ انسانی کی مجموعی اصل کو ظاہر کرتا ہے۔

اقبال اس لفظ یا اصطلاح سے جو کچھ سمجھتے اور سمجھانا چاہتے تھے اسے آسان لفظوں میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے۔ قدرت نے ہر شخص کے اندر جسم وذہن اور قلب ونظر کی کچھ صلاحتیں اور قابلیتیں ودیعت کی ہیں۔ یہ صلاحتیں ہمارے اندر سوئی ہوئی، چھپی ہوئی اور خام ہوتی ہیں اور ابتداً ہم ان سے ناآشنا اور ناواقف محض ہوتے ہیں۔ قدرت کا منشاء یہ ہے کہ اپنی ان صلاحیتوں کی تلاش و جستجو میں نکلیں، ان کا پتا لگائیں اور ان سے آشنائی اور آگاہی پیدا کر کے انہیں پردۂ خفا سے معرضِ شہود میں لائیں، اس طرح ان کی گویا اپنی ترقی و ارتقاء کا سامان پیدا کریں۔ یہ صلاحیتیں جو کروڑوں، اربوں انسانوں میں بھی کسی دو میں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ انہی کی مجموعی ترکیب سے ہر شخص کی ذات، الغویا خودی تشکیل پاتی ہے اور اپنی جگہ پر لاثانی اور منفرد ہوتی ہے۔ جس شخص کی صلاحیتیں، غیر ترقی یافتہ اور غیر ارتقاپذیر رہ گئیں، اس کی خودی گویا خوابیدہ وخام ہے اور جس نے ان صلاحیتیں کو بیدار کیا اور ان کے نشوو ارتقاء کی

خاطر جان جوکھوں میں ڈالی، اس نے خودی اور اس اعتبار سے زندگی کا راز پالیا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ خودی کو پانا اور اس کی نشوونما کرنا گویا اپنی شخصیت کو پانا اور اسکی نشوونما کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ خودی کی یہ سیدھی سادی تعریف و تعبیر ان لوگوں کیلئے قابلِ قبول نہ ہو جو اپنے طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال کا تصورِ خودی سمجھنے اور سمجھانے کے اعتبار سے اتنا ہی پیچیدہ اور دقیق ہونا چاہئے۔ جس قدر آئن سٹائن کا نظریۂ اضافت یا برگسان کا نظریۂ زماں۔ یہ خیال غلط فہمی پر محمول ہے۔ لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ اقبال نے اردو یا فارسی نظم و نثر میں خودی کی ہیئت و حقیقت سے کسی ایک جگہ باقاعدہ اور تفصیلی گفتگو نہیں کی۔ شعر خواہ اس کا کہنے والا کتنا ہی قادرالکلام ہو، جہاں تک خیال کی مدلل وضاحت کا تعلق ہے، نثر کا بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ کہ اسرارِ خودی کے پہلے باب میں جو چند اشعار خودی کی تعریف میں لکھے گئے ہیں، ان سے بات نہیں بنتی۔ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے اقبال نے مثنوی مذکور کے پہلے ایڈیشن کے ساتھ ایک دیباچہ شائع کیا تھا۔ یہ دیباچہ اگرچہ بڑی قدر و قیمت کا حامل تھا۔ لیکن کچھ اختصار کی وجہ سے اور کچھ اندازِ بیان کے باعث یہ بھی اپنا مقصد پورا نہ کر سکا اور نظریۂ خودی کی کوئی عام فہم تعبیر معرضِ اظہار میں نہ آئی۔ خودی کی تعریف کرتے ہوئے وہ اس دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"یہ وحدتِ وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ، جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر ہوتے ہیں۔ یہ پراسرار شئے جو فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود قوتوں کی شیرازہ بند ہے، یہ خودی یا انا، یا میں جو اپنے عمل کی رُو سے ظاہر ہے،

لیکن اپنی حقیقت کی رُو سے مضمر ہے، جو تمام مشاہدات کی خالق ہے، مگر جوانکی لطافت اور مشاہدے کی گرم نگاہوں کی تاب نہیں لاسکتی، کیا چیز ہے؟ کیا یہ ایک لازوال حقیقت ہے، یا زندگی نے محض عارضی طور پر اپنی فوری عملی اغراض کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو اس فریبِ تخیل کا دروغِ مصلحت آمیز کی صورت میں نمایاں کیا ہے؟ اخلاقی اعتبار سے افراد و اقوام کا طرز عمل اس نہایت ضروری سوال کے جواب پر منحصر ہے۔"

ظاہر ہے کہ خودی کی یہ تعریف جس میں اسے وحدتِ وجدانی اور شعور کا روشن نقطہ، مشاہدات کے خالق اور ایک پُراسرار شئے بتایا گیا ہے۔، عام قاری کی سمجھ میں بھلا کیوں کر آسکتی تھی اور وہ اپنے ذہن میں خودی کا کوئی واضح تصور کیسے قائم کر سکتا تھا۔ اسے محض حسنِ اتفاق سمجھنا چاہیئے کہ جب پروفیسر نکلسن نے اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ تیار کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اس کے بعض موضوعات کی وضاحت چاہی تو اقبال کے قلم سے بزبانِ انگریزی فلسفہ خودی کی ایسی سلیس، مربوط اور شگفتہ صراحت ضبطِ تحریر میں آئی جو اردو یا فارسی کلام میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔ اس میں انہوں نے خودی کی مطلوبہ صورت کیلئے شخصیت کا قدرے واضح اور غیر مبہم لفظ کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ شخصیت انسان کی عزیز ترین متاع ہے، جو زندگی کے قوی و شدید احساس (جسے وہ تناو کی حالت کہتے ہیں) کی بدولت ہاتھ آتی ہے۔ لہذا ہمارا سب سے مقدم فرض اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ تناو کی اس حالت کو ضعف نہ پہنچے اور زندگی کے احساس کی شدت کم نہ ہونے پائے، کیونکہ شخصیت کے فرار و دوام کا انحصار اس شدتِ احساس اور تناو کی حالت پر ہے۔ جو چیز اس تناو کی حالت کو قائم رکھنے

میں ممد و معاون ہوتی ہے، وہ ہمیں ابدی اور غیر فانی بننے میں مدد دیتی ہے۔ "پس شخصیت کا اصول ہمارے لئے قدر کا معیار مہیا کرتا ہے۔ اس پر خیر و شر کا مسئلہ طے پا جاتا ہے۔ جو چیز شخصیت کی حفاظت کرتی ہے، خیر ہے، جو اس کو ضعف پہنچاتی ہے شر ہے۔ فن۔ مذہب اور اخلاق سب کو شخصیت ہی کے نقطہ نظر سے جانچنا پرکھنا چاہئے۔ خودی کی صنعت و قوت کو استحکام بخشنے، اپنے وجود کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے اور اپنے خاکستر میں شراروں کو سلگانے کی بات کرتے ہوئے اقبال اسرارِ خودی میں یوں رقمطراز ہیں۔

اے کہ مثلِ گل ز گلِ بالیدۂ
تو ہم از بطن خودی زائیدۂ
از خودی مگذر بقا انجام باش
قطرۂ می باش و بحر آشام باش
تو کہ از نور خودی تابندۂ
گر خودی محکم کنی پائیندۂ
ہستی و از نیستی ترسیدۂ
اے سرت گردم ، غلط فہمیدۂ
چوں خبر دارم ز سازِ زندگی
یا تو گو یم چیست رازِ زندگی

غوطہ در خود صورت گوہر زدن
پس ز خلوت گاہِ خودسر بر زدن
زیر خاکستر شرار اندوختن
شعلہ گردیدن نظر ہا سوختن
خانہ سوز و محنت چل سالہ شو
طوفِ خود کن شعلۂ جوالہ شو

اقبال کے نزدیک خودی کے مستحکم اور پختہ تر ہونے کیلئے تین مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ اطاعت، دوسرا اضبطِ نفس اور تیسرا نیابتِ الٰہی۔ تربیت خودی کا پہلا مرحلہ دراصل یہی ضابطہ پسندی اور آئین پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا مرحلہ ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو آئین کا پابند نہیں بناتے یا تن آسانی اور آرام طلبی کی بنا پر اس میں رخنے ڈالتے ہیں، وہ خودی کی تربیت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو لوگ آزادی کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ جو جی میں آئے انسان کر گذرے تو ایسے لوگ بھی اقبال کے نزدیک زندگی کی حقیقتوں سے بے خبر اور اس کی فضیلتوں سے محروم رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

در اطاعت کوش اے غفلت شعار
می شود از جبر پیدا اختیار

اطاعت کے بعد اقبال کے خیال میں ضبطِ نفس وہ دوسرا مرحلہ ہے جو اپنے اندر شعور و نظر کو بھی شامل کر لیتا ہے۔ یہاں انسان احکام کی لفظی اور مادی تعمیل کے ساتھ ساتھ ان کی حکمتوں اور حقیقتوں سے بھی آگاہ ہوتا ہے، اور اپنے نفس کی پوشیدہ اور گہری

خصوصیات سے مطلع ہو کر اس کی کمزوریوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اقبال نے اس کو ضبطِ نفس کا جامع نام دیا ہے۔ حقیقتاً یہ آئین و نفس کے باہمی ربط کو پا جانے کا مرحلہ ہے، جسے خود شناسی اور خدا شناسی کا دیباچہ کہنا چاہیئے۔

اطاعت اور ضبطِ نفس جیسے الفاظ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال سیرت سازی کا کوئی صوفیانہ دستور پیش کر رہے ہیں، جس کی بدولت انسانی کردار میں ایک خاص نوع کی ہمواری اور استواری آجاتی ہے اور اس کو اختیار کرنے والا بہت سی اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہو کر پارسائی اور نیکی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ لیکن اقبال کا مقصد صرف یہ نہیں۔ ان کے پیش کردہ نظام ضبط و اطاعت کا مقصود فقط زاہدانہ قسم کی پارسائی پیدا کرنا نہیں بلکہ ایسی انقلاب آفرین شخصیتوں کی تربیت کرنا ہے۔ جن کی عملی قوت اور تخلیقی جوش انسانی تمدن کی کایا پلٹ دے اور اس کے اندر فتنہ و شر کے جس قدر عوامل کار فرما ہوں، ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔ اقبال کا انسانِ کامل جسے وہ اسرار میں نائبِ حق کہتے ہیں۔ اجتماعی خیر و قوت کا عظیم سرچشمہ ہے، وہ مردہ دلوں میں زندگی کی ایک نئی روح پھونکتا ہے۔ وہ غلاموں کو آزاد زندگی پر ابھارتا ہے۔ وہ جنگ اور نفرت کے شعلوں پر صلح و آشتی کے بادل برساتا اور دلوں کی کھیتوں میں محبت اور تعاون کے بیج بوتا ہے۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است

نائب حق ہمچو جانِ عالم است
ہستیٔ اور ظلِ اسمِ اعظم است

نائب حق کی سیرت میں علم و حکمت، تخلیقی ولولہ انقلاب آفرینی بطور خاص نمایاں ہے۔ اس کی بصیرت اور اس کا جذبۂ خیر اس کے اندر تخلیق و انقلاب کی بے پناقوت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ پرانی دنیا اور فرسودہ نظاموں کو تہ و بالا کر کے اپنے ذوقِ عمل سے نئی دنیا تعمیر کرتا ہے۔ اس کی زبان میں تاثیر اور اس کی نظر میں جادو ہے کہ اس کے اثر سے بوڑھے، جوان اور مردہ دل زندگی کی کیفیتوں سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

شیب را آموزد آہنگ شباب
می دہد ہر چیز را رنگِ شباب
از قم اوخیزد اندر گورتن
مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن

وہ زندگی اور معاشرت کی مروجہ قدروں کا کڑی نظر سے جائزہ لیتا ہے اور تھکی ماندی انسانیت کو نئی منزلوں اور نئی قدروں سے آشنا کرتا ہے۔ اس کا وجود زندگی کیلئے تازہ ممکنات کا پیغام ہے۔

زندگی را می کند تفسیر نو
می دہد ایں خواب را تعبیر نو
ہستی مکنونِ او رازِ حیات
نغمہ نشنیدۂ سازِ حیات

اس کا علم وسیع، اس کی بصیرت گہری اور اس کی ہیبت دریاؤں کو خشک کر دینے والی ہے۔ اس کے دم قدم سے ذرے خورشید آشنا ہوتے ہیں اور ہر زندہ چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

ذرہ خورشید آشنا از سایہ اش
قیمتِ ہستی گراں از مایہ اش

مختصر یہ کہ مستحکم سیرت کا یہ انسان، زمین پر خدا کا یہ نائب دنیا کیلئے ہزار خیر و برکت کا باعث ہے۔ وہ زندگی کے قافلے کا سچا رہبر ہے۔ اس کی بدولت فطرت کے بگڑے کام سنورتے ہیں اور انسانوں کی زندگی میں نیکی، قوت اور محبت کے سرچشمے ابلتے ہیں۔ اقبال نے تربیت خودی کا جو اصول و دستور پیش کیا ہے۔ اس کا مقصود کاروانِ حیات کیلئے ایسے ہی سالار مہیا کرنا ہے۔ اقبال مستقبل کے تقدیر ساز انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے امکان وار تقا کے شہسوار، اور اے تقدیر کا رُخ بدلنے والے، آو، اور ہمارے دل و نظر میں سما جاو۔ اور ہماری دنیا کی زینت بنو۔ قوموں کی برداری میں باہمی نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ تم آو اور اس آگ کو ٹھنڈا کرو۔ تمہارے آنے سے ہی اخوت کا ساز چھڑے گا اور محبت کی شراب بٹے گی۔ اور آپس میں لڑنے والوں کو صلح و آشتی کا پیغام سناو۔ تمہاری بدولت ہی دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہو گا۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکان بیا

رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو
در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن
نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
خیز و قانونِ اخوت ساز دہ
جامِ صہبائے محبت باز دہ
باز در عالم بیار ایامِ صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح

اقبال اپنے قارئین سے شاکی ہیں کہ انہوں نے خودی اور بے خودی کی حقیقت کو نہ سمجھا اور نہ پایا۔ وہ کہتے ہیں کہ سنو تمہاری خاک کے اندر ایک نوری جوہر ہے، جس کی قدر و قیمت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ جسے تم عقل و ادراک کہتے ہو، یہ اس نوری جوہر کی ایک کرن ہے۔ تمہارا عیش اور غم اسی کے عیش و غم سے عبارت ہے۔ تمہاری زندگی اس کے انقلابات پیہم کی مرہونِ منت ہے۔ یہ جوہر اپنی ذات میں شدید انفرادیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری شخصیت تم سے اور تمہاری شخصیت مجھ سے جدا ہے۔ یہ جوہر بڑا خوددار، غیرت مند اور سخت کوش ہے۔ یہ آزاد بھی ہے اور پابند بھی۔ یہ جزو ہے لیکن کُل کو پانے کی طاقت رکھتا ہے۔

خوگرِ پیکار پیہم دیدمش
ہم خودی ، ہم زندگی نامیدمش

لیکن یہ جوہر جب اپنی ذات کی خلوت گاہ سے نکل کر ہنگامۂ عالم میں شریک ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ اس کے دل میں من کے بجائے اُو اور تو کا نقش گھر کر لیتا ہے۔ یعنی وہ اپنے مفاد کے بجائے دوسروں کے مفاد اور بہبود کی فکر کرتا اور انتہائی ایثار سے کام لیتا ہے۔ وہ اپنی آسائش اور آزادی کو قوم کی فلاح و صلاح پر قربان کر دیتا ہے۔

در جماعتِ خود شکن گردد خودی
تاز گلبر گے چمن گردد خودی

اقبال اپنے فلسفۂ خودی کے توسّل سے ملّتِ اسلامیہ کے اندر خودی شناسی اور خود اعتمادی کی صفات اور خصوصیات پیدا کرنے، اسے اپنے شاندار ماضی سے روشناس کرنے اور خودی سے جنم لینے والی جملہ خوبیاں موجزن دیکھنے کی آرزو کرتے تھے۔

زندگانی را بقا از مدعا ست
کار وانش را درا از مدعا ست
زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اور در آرزو پوشیدہ است
آرزو را در دل کوزندہ دار
تانگردد مشتِ خاکِ تو مزار
ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

اقبال نے دس شعری مجموعے ہمارے لیے چھوڑے ہیں۔ مثنوی اسرارِ خودی (۱۹۱۵)، رموزے خودی (۱۹۱۸)، پیام مشرق (۱۹۲۳)، بانگِ درا (۱۹۲۴) زبور عجم (۱۹۲۷)، جاوید نامہ (۱۹۳۲) بال جبرئیل (۱۹۳۵) پس چہ باید کرد اے اقوام شرق و مثنوی مسافر (۱۹۳۶)، ضرب کلیم (۱۹۳۶) ارمغان حجاز (۱۹۳۸) ان میں اول الذکر نو مجموعے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے تھے، آخری مجموعہ انکی وفات کے سات ماہ بعد چھپا۔ ان تمام مجموعوں پر گہری نظر ڈالنے کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اقبال کی شاعری کے پسِ منظر میں مقصدیت کا ایک بہت بڑا نظریہ کار فرما ہے۔ مقصد کے تابع رہ کر اقبال نے شاعری کی، وہ ہر اعتبار سے ایک عہد آفریں شاعر ہیں، ہم ان کے افکار و خیالات سے اتفاق کریں، نہ کریں، ان کے خیالات کی عظمت سے ہر گز انکار نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ اقبال نے جو بات کہی ہے وہ انسانیت کی بلندی سے کہی ہے۔ اقبال شاعری میں صرف مقصد کی عظمت ہی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اس کے حصول کی لئے طریق کار کی عظمت کے بھی قائل ہیں۔ عظمت کے اس تصور نے اقبال کی شاعری کو ایک آفاقی حیثیت اور عالمگیر قدر بخشی ہے۔ اقبال کے کلیاتِ فارسی کے مُرتب آقائے احمد سروش نے اپنے طویل مقدمے میں یہ بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ:۔

"اقبال کا پیغام محبت برائے انسانیت تھا۔ ان کا ہدف عالم اسلام کا اتحاد تھا۔ ان سے پہلے عبدالرحمان کواکبی اور ملا جمال الدین افغانی جیسے بزرگ بھی عالم اسلام کے اتحاد کے لیے کوشاں رہے لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا"۔

اپنی شاعری کو پر سوز، بے باک لیکن ساتھ ہی ساتھ غم انگیز کہتے ہوئے اقبال اس کے توسّط سے خس و خاشاک میں آگ اور بادِ صبح میں تندی و تیزی لانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ زبور عجم کی نویں غزل کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

نوائے من ازاں پر سوز و بیباک و غم انگیز است
بخاشاکم شرار افتاد و بادِ صبح دم تازاست
مرا در دل خلید ایں نکتہ از مردِ ادا دانے
زمعشوقاں نگہہ کاری ترازحرف دلآویزاست
اشار تہائے پنہاں خانماں بر ہم زند لیکن
مرا آں غمزہ می باید کہ بے باک است و خوں ریزاست
مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریزاست

ڈاکٹر ظہیر الدین احمد جامعی نے اپنی مختصر لیکن فکر انگیز کتاب "اقبال کی کہانی" کے آغاز میں اقبال کی شاعرانہ حیثیت پر یوں نظر ڈالی ہے۔

"اقبال جیسے پیامبر شاعر کی داستان کو طول دیا جائے تو ہفتوں تو کیا مہینوں بلکہ زندگی کا ہر لمحہ اسکی دلچسپی سے رطب اللّسان رہے اور مزید کی خواہش جوں کی توں باقی رہے۔ لیکن اگر ٹیلی گرام کی عبارت میں اس داستان کو سمیٹا جائے تو بات صرف اتنی ہو گی کہ:۔

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گذر جا بن کے سیلِ تند خو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

غرض اقبال نے شعر کے جملہ محاسن و صفات کا سہارا لیکر ایک اعلیٰ مقصد اور عظیم ترین ضابطہ اخلاق کی شد و مد کے ساتھ ترجمانی کی اور شاعری کو آدم گری، سیرت سازی اور انسان دوستی کے اصول و خطوط پر استوار کرنے کی بھرپور مساعی کی۔

شاعرِ دلنواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری
شانِ خلیلؑ ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے اسکی قوم جب اپنا شعار آذری

# اِقبال ماہ و سال کے تناظر میں

اقبال ایک ہمہ پہلو اور ہمہ جہت شاعر تھے۔ ان کی زندگی کے سبھی واقعات، حالات، اور کوائف کو یکجا کیا جائے تو ایک بڑی کتاب مدون ہو سکتی ہے۔ اقبال کے مختلف سوانح نگاروں نے انکی زندگی کے ماہ و سال کو ترتیب دینے کی کوشش کی ہے، جس سے اقبال کی زندگی اور شاعری کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ اگلی سطور میں اقبال کی ولادت سے لیکر وفات تک مختلف تاریخوں میں رونما ہونے والے حالات و واقعات کو مرتب کیا گیا ہے۔

میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

**۱۸۷۷ء**

۹ نومبر جمعہ ☆ سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدائش۔

**۱۸۸۲ء** ☆ مکتبہ عُمر شاہ۔ محلّہ شوالہ سیالکوٹ کی مسجد میں لالہ عبد اللہ مولانا غلام حسن (م: ۱۸۔ جنوری ۱۹۲۵ء) کے مکتب میں۔

کوچہ میر حسام الدین میں مولانا میر حسن
کے مکتب میں۔ اُردو، عربی اور فارسی کی
ابتدائی تعلیم حاصل کی، قرآن مجید کا درس لیا۔

۱۸۸۲ء ☆ شعری شخصیت کی تشکیل میں سیّد میر
حسن کا فیضان

۱۸۸۳ء ☆ اسکاچ مشن اسکول (سیالکوٹ) میں داخلہ

۱۸۸۸ء ☆ پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ اس دور میں
تعلیمی درجہ بندی یوں تھی: پرائمری اول
دو سال۔ پرائمری دوم ۳ سال۔

۱۸۹۱ء ☆ مڈل کا امتحان پاس کیا۔ شعر بھی موزوں
کرنے لگے تھے۔

۱۸۹۳ء ۴۔ مئی ☆ میٹرک اول درجہ میں پاس کیا۔ اسی تاریخ
کو اقبال کی شادی گجرات (پنجاب) کے

سول سرجن خان بہادر عطا محمدؒ کی
بیٹی کریم بی بی (م:۲۰۔نومبر ۱۹۴۶ء)
سے ہوئی۔

۵۔ مئی ☆ اسکاچ مشن کالج (مرے کالج) میں داخلہ۔

☆ استاد داغؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

نومبر ☆ ماہنامہ زبان دہلی میں غزل شائع ہوئی۔

**۱۸۹۴ء** ☆ تعلیمی سلسلہ جاری رہا، اور شاعری
بھی۔ادبی رسائل میں کلام شائع ہونے لگا تھا۔

فروری ☆ ماہنامہ زبان (دہلی) میں غزل شائع ہوئی۔

**۱۸۹۵ء** ☆ انٹرمیڈیٹ کا امتحان درجہ دوم میں پاس
کیا۔ مزید تعلیم کے لیے سیالکوٹ سے
لاہور ہجرت کی۔

ستمبر ☆ گورنمنٹ کالج (لاہور) میں بی، اے میں
داخلہ لیا۔ سیالکوٹ سے آنے کے بعد چند
روز اپنے دوست شیخ گلاب دین کے ساتھ
قیام کرنے کے بعد کواڈرینگل ہوسٹل کے

کمرہ نمبر ۶ میں فروکش ہوئے۔

۱۸۹۶ء فروری ☆ انجمن کشمیری مُسلمان کا قیام اور مشاعروں کا آغاز۔ مُشاعروں میں اقبال کی شرکت ۲۵۔ اشعار پر مشتمل نظم "فلاحِ قوم" سُنائی۔ ۴ سال تک اِسی ہوسٹل میں رہے۔ اقبال کے یہاں پہلی بیوی سے لڑکی معراج بیگم کی پیدائش۔

۳۰۔ نومبر ☆ سیالکوٹ سے لاہور آنے کے بعد حکیم امین الدین بیرسٹر کے عالی شان مکان پر منعقد ایک مشاعرے میں شرکت کی۔

دسمبر ☆ بازارِ حکیماں بر مکان حکیم شجاع الدین محمد دوسرے دن "اُردو بزم مشاعرہ" میں شرکت کی۔

۱۸۹۷ء ☆ بی۔اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن سے پاس کیا۔ ایم۔اے (فلسفہ) میں داخلہ لیا۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۹۸ء | ۱۱۔ فروری | ☆ طامس آرنلڈ علی گڑھ سے لاہور آئے، اورگورنمنٹ کالج میں فلسفے کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اقبال سے یہیں تعلق ہوا۔ اُستادی اور شاگردی کا یہی تعلق اقبال کی فکر اور شاعری پر اثر انداز ہوا۔ |
| | | ☆ آفتاب اقبال (م: ۱۹۷۹ء) کی پیدائش |
| | | ☆ ایم۔اے کی کلاسوں کے ساتھ لاہور لاء اسکول کی جماعتوں میں قانون کے طالب علم کی حیثیت سے شرکت۔ دسمبر میں ہوئے قانون کے ابتدائی امتحان میں اصول قانون کے پرچے میں ناکام رہے۔ |
| ۱۸۹۹ء | مارچ | ☆ ایم۔اے کا امتحان تیسرے درجے میں پاس کیا۔ یونیورسٹی بھر میں فلسفے کے واحد کامیاب طالب علم تھے۔ انعام سے نوازے گئے۔ |
| | اپریل | ☆ آرنلڈ نے اورنٹیل کالج کے قائم مقام پرنسپل کا عُہدہ سنبھالا۔ |

۱۳، مئی ☆ اورنٹیل کالج کو میکلوڈ عربک ریڈر کے طور پر اقبال کا تقرر ہوا۔ ریڈر سے مُراد ہے ریسرچ اسکالر جسمیں:

۱: عربی کُتب نصاب کی طباعی کی نگرانی

۲: عربی انگریزی کتابوں کا اُردو ترجمہ

۳: درس و تدریس۔

۷۲ روپے ۱۴۔ آنے ماہانہ مشاہرے پر انھیں یہ نوکری ملی۔

۱۲۔ نومبر ☆ انجمن حمایتِ اسلام لاہور (قیام: ۱۸۹۴ء) کے رُکن بنائے گئے۔

۱۹۰۰ء ۱۴۔ فروری ☆ انجمن حمایتِ اسلام کے ۱۵ ویں سالانہ جلسے میں پہلی بار نظم "نالۂ یتیم" ترنّم سے سُنائی۔

☆ چیف کورٹ (لاہور) میں درخواست دی کہ دسمبر میں ہونے والے امتحان (پی۔ ای۔ ایل) میں لکچروں سے مستثنیٰ رعایت کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دی جائے، مگر

یہ رعایت تسلیم نہیں کی گئی۔

☆ گورنمنٹ کالج میں تعلیم کے خاتمے کے بعد اقبال کو اڈرینگل ہوسٹل سے بھاٹی دروازہ میں ایک کرائے کے مکان میں مُنتقل ہو گئے۔ کرائے کے مکانات تبدیل کرتے ہوئے کوچہ جلوٹیاں میں مکان نمبر "۵۹۷بی" میں منتقل ہوگئے، جہاں ان کا قیام وسطِ ۱۹۰۵ء تک رہا۔

☆ اِسی مکان میں وفادار علی بخش (م: ۱۹۶۹ء) نے اقبال کی مُلازمت کی۔

ستمبر ☆ عبدالکیرم الجیلی کی کتاب "نظریۂ توحیدِ مطلق" پر انگریزی میں ایک مضمون "اِنڈین انٹی کیوری" کے ۲۹ویں شمارے میں شائع ہوا۔

۱۹۰۱ء یکم جنوری ☆ اورنٹیل کالج کی مُلازمت کے دوران ہی ۶ ماہ کی رخصت بلا تنخواہ، گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔

۴۔جنوری ☆ لالہ جیارام کی جگہ گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ۲۸ دن اس پوسٹ پر کام کیا۔

☆ شیخ عبدالقادر (پ: ۱۸۷۴ء م: ۱۹۵۰ء) کی اسلامیہ کالج سے کچھ عرصے کے لیے رُخصتی پر ان کی جگہ انگریزی ادب پڑھایا۔

☆ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کا امتحان (ای۔اے۔سی) میں کامیاب ہوئے لیکن دائیں آنکھ کی بصارت کمزور ہونیکے سبب میڈیکل میں اَن فٹ رہے۔

۲۴۔فروری ☆ دوسری لڑکی پیدا ہوئی اور فوت ہو گئی۔

☆ انجمن حمایت اسلام کے ۱۶ ویں سالانہ جلسے میں اپنی دوسری مشہور نظم "دردِ دل یا یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے" پڑھی۔ یہ نظم ۱۵۱۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ بانگِ درا میں شامل نہیں۔

اپریل ☆ "مخزن" (لاہور) کے پہلے شمارے میں

"کوہستانِ ہمالہ" کے عنوان سے نظم شائع ہوئی۔ یہ نظم کا اوّلین نقش تھا۔ "بانگِ درا" میں "ہمالہ" کے عنوان سے شامل ہے۔

☆ "انجمن کشمیری مُسلمان" کے سیکرٹری بنائے گئے ۱۸۹۶ء میں اس انجمن کی بُنیاد رکھی گئی تھی اور اقبال شروع ہی سے اس کی سرگرمیوں میں شامل رہے تھے لیکن کچھ مُدت بعد یہ انجمن ختم ہو گئی تھی اور ۱۹۰۱ء میں دوبارہ اس کو جاری کیا گیا۔

**۱۹۰۲ء** جنوری ☆ بچوں کی تعلیم و تربیت کے موضوع پر ماہنامہ "مخزن" میں ایک مضمون شائع ہوا

۲۳۔ فروری ☆ انجمن حمایت اسلام کے ۱۷ ہویں سالانہ جلسے میں صدر جلسہ میاں نظامُ الدین (سب جج راولپنڈی) نے اقبال کو "ملک الشعرا" کا خطاب دیا۔

ستمبر ☆ "زبانِ اُردو" کے عنوان سے ایک مضمون

مجلۂ "مخزن" میں چھپا۔

اکتوبر ☆ "خیر مقدم" کے نام سے نظم انجمن حمایت اسلام کے سترھویں سالانہ اجلاس میں پڑھی۔

۱۶۔اکتوبر ☆ دو سو روپے مہینہ تنخواہ پر گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء تک۔

۱۹۰۳ء مارچ ☆ اپنے دوست منشی سراج الدین (میر منشی ریذیڈنسی کشمیر) کے نام خط میں لکھا:

"ملٹن کی تقلید میں کچھ لکھنے کا ارادہ مُدّت سے ہے..... فکرِ روزگار سے نجات ملی تو اس کام کو باقاعدہ شروع کروں گا"۔

۳۱۔ مئی ☆ اورنٹیل کالج میں میکلوڈ عربک ریڈر کی مُدّت مُلازمت ختم ہوئی۔

۳۔جون ☆ گورنمنٹ کالج میں دوبارہ بہ حیثیت اسسٹنٹ پروفیسر (انگریزی) تقرر ہوا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| | ۳۰۔ڈسمبر | ☆ | گورنمنٹ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر کی مُدّت ختم ہوئی، اِسی مُلازمت میں ۶ ماہ کی توسیع کی گئی۔ |
| ۱۹۰۴ء | ۲۶۔فروری | ☆ | طامس آرنلڈ گورنمنٹ کالج لاہور کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر (ابتداً: ۱۱۔فروری ۱۸۹۸ء) لندن چلے گئے۔ اقبال نے اپنے مشفق اُستاد کی جدائی میں "نالۂ فراق" کے عنوان سے ۲۴۔ اشعار کی ایک پُر اثر نظم تخلیق کی۔ |
| | ۳۱۔مارچ | ☆ | اسسٹنٹ پروفیسری کی ملازمت ختم ہوئی لیکن اس مُدّت میں مزید توسیع کی گئی اور فلسفہ پڑھانے پر معمور ہوئے۔ تنخواہ دو سو روپے سے دو سو پچاس روپے ہو گئی۔ یورپ جانے تک اسی منصب پر فائز رہے۔ |
| | مئی | ☆ | "مخزن" میں نظم "نالۂ فراق" شائع ہوئی۔ |
| | | ☆ | "تصویرِ درد" کے عنوان سے اپنی نظم |

انجمن حمایتِ اسلام کے انیسویں سالانہ اجلاس میں پڑھی۔

اگست ☆ اپنے بڑے بھائی عطا محمد (پ:۱۸۵۹ء، م: ۲۶۔ دسمبر ۱۹۴۰ء) کے پاس چند روز کے لئے ایبٹ آباد گئے جہاں "قومی زندگی" کے موضوع پر ایک لیکچر دیا۔

اکتوبر ☆ مقالہ "زندگی" رسالہ "مخزن" میں شائع ہوا۔ اقبال کی پہلی اُردو تصنیف "علمِ الاقتصاد" لاہور سے شائع ہوئی، معاشیات کے موضوع پر یہ کتاب لکھی گئی تھی۔

**۱۹۰۵ء** جنوری ☆ شیخ عبدالقادر نے "مخزن" میں اقبال کا ایک مضمون بعنوان "سپاسِ امیر" شائع کیا۔

۱۷۔ فروری ☆ اقبال کے اُستاد حضرت داغ دہلوی (پ. ۲۵۔ مئی ۱۸۳۱ء) کا انتقال ہوا۔ اقبال نے داغ پر ۲۷۔ اشعار کا ایک مرثیہ تخلیق کیا۔

یکم ستمبر ☆ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے لاہور سے یورپ روانہ ہوئے۔

۲۔ ستمبر ☆ دہلی پہنچے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی درگاہ پر حاضری دی اور ۳۶ اشعار پر مشتمل اپنی نظم "التجائے مسافر" سنائی۔

☆ یورپ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۳ سال کے لئے بلا تنخواہ رخصت لی۔

یکم اکتوبر ☆ ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ (۱۸۸۲ء ۔ ۱۹۱۳ء) پر دستخط کئے اور اپنے مخمسر کوائف اس میں درج کئے۔

۸۔ اکتوبر ☆ خواجہ حسن نظامی کے نام کیمبرج سے ایک خط میں تصوف اور وحدت الوجود پر شاہ سلیمان پھلواری کی مدد سے قرآن و حدیث سے حوالے پوچھے۔

۶۔ نومبر ☆ "طنکزان" میں بیرسٹری کے لیے داخلہ لیا۔ محمد علی جناح نے بھی یہیں سے بیرسٹری کی ڈگری لی تھی۔

نوٹ:۔ ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۵ء بھاٹی دروازہ لاہور میں قیام رہا۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۹۰۶ء | ۷۔ مارچ | ☆ بی۔اے کی ڈگری کے لئے فلسفۂ اخلاقیات کے شعبے میں ایک مقالہ داخل کیا۔ |
| | اپریل | ☆ کیمبرج میں قیام کے دوران مقالے کی تیاری کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ہندوستان میں سودیشی تحریک کے متعلق چند سوالات کا جواب ایک مضمون کی صورت میں "زمانہ" کانپور میں شایع ہوا۔ |
| | اگست۔ ستمبر | ☆ بہ ہمراہ شیخ عبدالقادر و مشیر حسین قدوائی دارالخلافت استنبول گئے۔ |
| ۱۹۰۷ء | مارچ | ☆ سفر یورپ کے بعد انقلابِ فکر و نظر کا اظہار اس طرح کے شعروں میں کیا۔ |

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس میرا شعلہ بار ہوگا

یکم اپریل ☆ لندن میں پہلی بار عطیہ فیضی (پ: یکم اگست ۱۸۷۷ م : جنوری ۱۹۶۷ء) سے ایک تقریب میں ملاقات ہوئی۔

۱۳۔جون ☆ کیمبرج یونیورسٹی نے بی۔اے کی ڈگری عطا کی۔

۲۰۔جولائی ☆ جرمنی پہنچے۔

۴۔نومبر ☆ میونخ یونیورسٹی (جرمنی) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے اپنا انگریزی مقالہ "ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا" کے موضوع پر داخل کیا۔

☆ میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی۔ موضوع وہی ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا" تھا۔

**۱۹۰۸ء**

☆ سر طامس آرنلڈ ۶ ماہ کی رخصت پر مصر گئے تو اقبال کو اپنی جگہ عربی میں لیکچر دینے کے لئے مقرر کر گئے۔

☆ بی۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ انگریزی

میں "ڈولپمنٹ آف ماٹا فزکس اِن پرشیا" کے عنوان سے شائع ہوا۔

یکم جولائی ☆ لنکزان سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔

۲۶۔جولائی ☆ لندن سے دہلی پہنچے اور محبوب الٰہی کے مزار پر حاضری دی۔

۲۷۔جولائی ☆ دہلی سے لاہور پہنچے اور اسٹیشن پر شاندار استقبال کیا گیا۔

اگست ☆ سیالکوٹ پہنچنے پر پرتپاک خیر مقدم کیا گیا

☆ یورپ سے آنے کے بعد قانون کی پریکٹس نچلی عدالتوں سے شروع کی

۳۰ اکتوبر ☆ بہ حیثیت ایڈووکیٹ انرولمنٹ ہوئی۔

۱۹۰۹ء

۲۲۔جنوری ☆ انجمن کشمیری مسلمان لاہور کا قیام عمل میں آیا۔

۶۔فروری ☆ انجمن کشمیری مسلمان لاہور کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے

۲۴۔فروری ☆ انجمن حمایت اسلام کی مجلس منتظمہ کے ۳ سال کے لئے رُکن منتخب ہوئے۔

یکم مئی ☆ گورنمنٹ کالج لاہور سے جو خلا پیدا ہوا، اُسے پُر کرنے کے لئے اقبال کو آمادہ کر لیا گیا، حالانکہ علی گڑھ سے فلسفہ کے لئے آفر مل چکی تھی، لیکن ۳۱۔دسمبر ۱۹۳۰ء تک اقبال وکالت کے ساتھ ساتھ فلسفہ بھی پڑھاتے رہے۔

۱۰۔ مئی ☆ گورنمنٹ کالج میں عارضی طور پر فلسفے کی تدریس کے لئے مدعو کئے گئے۔

☆لا پبلشنگ ہاؤس لاہو کے ایک جریدے "انڈین کیسز لا رپورٹس" کے حلقہ ادارت میں بہ طور جائنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

**۱۹۱۰ء** ۲۔فروری ☆ انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل کے رُکن منتخب ہوئے۔

☆ سردار بیگم (دوسری بیگم) سے نکاح ہوا۔ لیکن رُخصتی نہیں ہوئی۔

۲۔مارچ ☆ پنجاب یونیورسٹی کا فیلو نامزد کیا گیا۔

۱۸۔مارچ ☆ کالج سے دن کی رخصت لے کر حیدر آباد

دکن کے لئے روانہ ہوئے اور سر اکبر حیدری (۱۸۶۹ء۔۱۹۴۶ء) کے یہاں قیام کیا۔

۲۸۔مارچ ☆ حیدر آباد سے لاہور سے واپس ہوئے۔

اپریل ☆ اقبال نے اس زمانے Stray Reflections کے نام سے اپنے تاثرات انگریزی میں رقم کرنے شروع کیے۔

☆ Political thought in Islam کے عنوان سے "ہندوستان ریویو" میں مضمون چھپوائے۔

۲۶۔جولائی ☆ انجمن حمایت اسلام کی کالج کمیٹی کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔

۳۱۔دسمبر ☆ گورنمنٹ کالج لاہور کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ کالج کی طرف سے الوداعی پارٹی میں طلبہ کو رابرٹ براؤننگ کی شاعری کے موضوع پر اپنا آخری لیکچر دیا۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۹۱۱ء | اپریل | ☆ "شکوہ" انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں پڑھی گئی۔<br>☆ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی کے تیسرے اجلاس کی صدارت کی۔<br>☆ "اسرارِ خودی" کا شانِ نزول بیگم عطیہ فیضی کے نام خط میں بتایا کہ قبلہ والد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ بو علی قلندرؒ کی مثنوی لکھوں۔ مشکل کے باوجود کام شروع کر دیا گیا ہے۔ |
| ۱۵۔اپریل | | ☆ پنجاب پراونشل ایجوکیشنل لاہور کی داغ بیل پڑی اور ڈاکٹر اقبال اس کی ایگزیکٹو کمیٹی کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ |
| ۱۹۱۲ء | یکم فروری | ☆ باغ بیرون موچی دروازہ میں مُسلمانوں کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کیا۔<br>☆ "شمع و شاعر" انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے میں سُنائی۔ |

☆ مُسلم، غرّہ شوال، فاطمہ بنتِ عبداللہ، نویدِ، صُبح گورستانِ شاہی لکھی۔

**۱۹۱۳ء**

☆ لالہ رام پرشاد (پروفیسر تاریخ، گورنمنٹ کالج لاہور) کے اشتراک سے نصابی کتاب "تاریخِ ہند" مرتب کی۔

☆ مُختار بیگم (تیسری بیوی) سے نکاح ہوا، اسی سال سردار بیگم سے تجدیدِ نکاح کیا۔ کیوں کہ ۱۹۱۰ء میں شادی کے بعد رخصتی نہیں ہوئی تھی اور بعض گُمنام خطوط کے سبب نہ صرف یہ کہ معاملہ التوا میں پڑ گیا تھا، بلکہ اقبال نے دلِ میں طلاق دینے کے متعلق سوچ لیا تھا۔

۷۔ ستمبر ☆ کانپور ایک مُقدمے کے سلسلے میں پُہنچے۔

۹ ستمبر ☆ لہٰ آباد میں اکبر لہٰ آبادی سے ملاقات کی۔

۱۰۔ ستمبر ☆ لہٰ آباد سے لاہور جاتے ہوئے دلی میں حکیم اجمل خاں سے مُلاقات کی۔

۱۹۱۴ء ۱۸۔ جنوری ☆ مولانا گرامی کو تحریر کیا کہ:

"اُردو اشعار لکھنے سے دل برداشتہ ہوتا جاتا ہوں، فارسی کی طرف زیادہ میلان ہوتا جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ دل کا بُخار اُردو میں نکال نہیں سکتا"۔

مارچ ☆ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کے نام لکھتے ہیں:

"فارسی مثنوی کے اشعار ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں۔ میں اس مثنوی کو زندگی کا مقصد تصور کرتا ہوں۔ میں مر جاؤں گا، یہ زندہ رہنے والی چیز ہے"۔

جولائی ☆ مولانا غلام قادر گرامی کے نام لکھتے ہیں:

"گزشتہ سال ایک مثنوی لکھنی شروع کی تھی..... خیالات کے اعتبار سے مشرقی و مغربی لٹریچر میں یہ مثنوی بالکل نئی ہے"

☆ "اسرار خودی" کا بیشتر حصہ لکھا جاچکا تھا اسی سال انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں بعض مقامات پڑھ کر سنائے۔

۱۲۔ ستمبر ☆ فارسی شاعری کا مجموعہ "اسرار خودی" شائع ہوا۔

۹۔ نومبر ☆ والدۂ اقبال امام بی بی کا انتقال ہوا۔ اقبال نے ایک طویل مرثیہ تخلیق کیا، جس کا یہ شعر ضرب المثل بن گیا ہے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

۱۷۔ نومبر ☆ پہلی بیٹی معراج بانو کا انتقال ہوا

۱۹۱۶ء ۳۰۔ جنوری ☆ انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے رُکن منتخب ہوئے

۸۔ جولائی ☆ دردِ گردہ کی پہلی شکایت

۱۹۱۷ء جولائی ☆ رسالہ "مخزن" میں قومی زندگی کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا۔

۱۹۱۸ء اپریل ☆ "رموزِ بے خودی" کی اشاعت عمل میں آئی۔

جون ☆ "اسرارِ خودی" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

۱۵۔ دسمبر ☆ پہلی جنگ عظیم کی فتح (۱۱۔ نومبر) کی خوشی میں ایک جلسۂ عام ہوا گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈوائر کی فرمائش پر اقبال نے چند نظمیں سُنائیں

**۱۹۱۹ء**

☆ اورینٹل فیکلٹی کے ڈین مقرر ہوئے۔

دسمبر ☆ امرتسر میں حکیم اجمل خان کی صدارت میں مُسلم لیگ اور خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں علی برادران نے بھی شرکت کی۔ اقبال نے علی برادران کی رہائی کی خوشی میں اپنی نظم "اسیری" سُنائی۔

۱۴۔ دسمبر ☆ انجمن حمایتِ اسلام کے سیکریٹری جنرل منتخب ہوئے

۳۰۔ دسمبر ☆ میاں فضل حسین کی صدارت میں منعقد ہوئے ایک جلسہ عام میں ترکوں کی حمایت میں تقریر کی۔ یہ جلسہ بیرون موچہ دروازہ لاہور میں منعقد ہوا تھا۔

۱۹۲۰ء

☆ مثنوی اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ پروفیسر آر۔اے۔ نکلسن (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۴۵ء) نے کیا، جسے مشہور میکمین کمپنی لمیٹیڈ نے شائع کیا۔

۳۰۔دسمبر ☆ نیاز الدین خاں نیازی کو لکھا کہ.

"انجمن حمایتِ اسلام کی سیکرٹری شپ سے استعفا ضرور دیا تھا، مگر کام اب تک منظور نہ ہو، کام کرتا رہوں گا"۔

۱۹۲۱ء ☆ وحید احمد مدیر "نقیب" کے نام لکھتے ہیں:

سفرِ یورپ کے دوران میرے خیالات میں انقلابِ عظیم پیدا ہو گیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ یورپ کی آب وہوا نے مجھے مسلمان بنا دیا ہے۔"

جون ☆ مولوی احمد دین وکیل اور اپنے منشی طاہر دین کے ہر ماہ ایک مقدمے کی پیروی میں پہلی مرتبہ کشمیر گئے۔ تقریباً دو ہفتے قیام کیا

اور جولائی کے پہلے ہفتے میں لاہور واپس آئے۔

۱۳۔ نومبر ☆ روزنامہ زمیندار (لاہور) میں گاندھی جی کی تعریف میں ڈاکٹر اقبال کے پانچ شعر شائع ہوئے۔

**۱۹۲۲ء** ۱۶۔اپریل ☆ نظم "خضرِ راہ" انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں پڑھی۔

۳۱۔ جولائی ☆ انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل سیکرٹری شپ سے مستعفی ہوگئے۔

اگست ☆ ترکوں نے مُصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت میں یونانیوں کو شکست دی، اس سے متاثر ہو کر اقبال نے مشہور نظم "طلوعِ اسلام" لکھی۔

۱۴۔اکتوبر ☆ انجمنِ حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل کے رُکن منتخب ہوئے۔

**۱۹۲۳ء** یکم جنوری ☆ سر کا خطاب عطا ہوا۔

☆ نظم "طلوعِ اسلام" انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں پیش کی گئی۔

۱۷۔ جنوری ☆ سرؔ کے خطاب پر معززین لاہور کی طرف سے مقبرۂ جہانگیر میں استقبالیہ دیا گیا۔

☆ پنجاب یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے رُکن۔

☆ پروفیسر شپ کمیٹی کے رُکن۔

یکم مئی ☆ "پیامِ مشرق" کی اشاعتِ اوّل۔

☆ "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بے خودی" کو ملا کر "اسرار و رموز" (یکجا) کے نام سے شائع کیا گیا۔

۱۹۲۴ء مارچ ☆ "پیام مشرق" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

ستمبر ☆ اُردو نظموں، غزلوں کا اوّلین مجموعہ "بانگ درا" شائع ہوا۔

۵۔ اکتوبر ☆ جاوید اقبال کی پیدائش۔

۲۱۔ اکتوبر ☆ مختار بیگم کا لدھیانہ میں انتقال ہوا۔

انتقال ہوا

جون ☆ "زبورِ عجم" کی اشاعت۔

☆ پنجاب لیجسلیٹو کاؤنسل کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۳۰ء تک اس سے وابستہ رہے۔

۱۹۔جولائی ☆ اقبال نے مُلازمتوں کو مُقابلے کے امتحان سے پُر کرنے سے متعلقہ ریزولیشن پر تقریر کی جس میں انھوں نے کہا کہ مُقابلے کے امتحان سے مستند اُمیدوار کو بلا لحاظ قوم و مذہب اور رنگ منتخب کیا جائے۔

نومبر ☆ مُسلم لیگ مخلوط انتخاب کے معاملے پر دو حِصّوں میں تقسیم ہو گئی، جو عرفِ عام میں جناح لیگ اور سرَ شفیع لیگ کہلائیں۔ اقبال نے سرَ شفیع لیگ کا ساتھ دیا اور اس کی حمایت میں متعدد بیانات دئے جو ۱۸۔نو مبر اور ۸۔دسمبر کے انقلاب (لاہور) میں شائع ہوئے۔

۹۔نومبر ☆ ڈاکٹر اقبال نے سائمن کمشن میں کسی ہندوستانی کے شامل نہ کیے جانے پر احتجاج کیا۔

۱۹۲۸ء ۲۳۔فروری ☆ پنجاب کونسل میں مالیہ اراضی پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:"مالیہ وصول کرنے کا موجودہ طریقہ سراسر غیر منصفانہ ہے۔"

۱۸۔اپریل ☆ انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں فلسفۂ اسلام پر انگریزی میں تقریر کی۔

☆ اسرار و رموز (یکجا) کی اشاعتِ دوم۔

۱۸۔مئی ☆ درد گردہ کا حملہ اور علالت کی ابتدا۔ حکیم نابینا سے علاج کے لئے دہلی کا سفر۔

۲۴۔جون ☆ آل انڈیا مسلم لیگ کے عہدۂ معتمدیت سے استعفا دے دیا۔

۳۱۔دسمبر ☆ بذریعہ فرنٹیر میل لاہور سے دہلی کے لئے روانگی، سفر مدراس و دکن کے لئے۔

۱۹۲۹ء یکم جنوری ☆ دہلی میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کی۔

۲۔جنوری ☆ دہلی سے مدراس کے لئے روانگی۔ اقبال کے ہمراہ چودھری محمد حسین اور مولوی

محمد عبدُاللہ چغتائی بھی تھے۔

۳۔ جنوری ☆ فرنٹیر میل سے بمبئی پہنچے اور ایک دن قیام کیا۔

۵۔ جنوری ☆ مدراس میں اقبال کا پُرتپاک خیر مقدم۔ مُسمانانِ شہر نے سپاسنامہ پیش کیا۔

☆ اسی دن شام میں گوکھلے ہال میں انگریزی میں اپنا پہلا خُطبہ دیا۔

۶۔ جنوری ☆ بروز اتوار شام ۶ بج کر ۱۵ منٹ پر خطباتِ مدراس کے سلسلے کا دوسرا خُطبہ دیا۔

۷۔ جنوری ☆ انجمن ترقی اُردو مدراس کی جانب سے ایک پُرتکلف "دعوتِ اقبال" کا اہتمام کیا گیا۔

۸۔ جنوری ☆ شام میں اپنا تیسرا خُطبہ دیا۔

۹۔ جنوری ☆ مدراس سے بنگلور صُبح سوا چھ بجے وارد ہوئے اور اہلِ بنگلور نے مثالی خیر مقدم کیا۔ اسی دن صبح دس بجے مُسلم لائبریری اور انجمن ترقی اُردو بنگلور نے سپاسنامہ پیش کیا۔ شام ۶ بجے گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج میں انگریزی میں خُطبہ دیا۔

۱۰۔ جنوری ☆ سرنگاپٹم روانہ ہوئے، سلطان شہید کے مزار پر حاضری دی۔

۱۱۔ جنوری ☆ بروز جمعہ میسور ٹاؤن ہال میں بوقتِ عصر ٹھیک ۵ بجے مُسلمانانِ شہر میسور اور یتیم خانۂ اسلامیہ کی طرف سے اقبال کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

۱۲۔ جنوری ☆ میسور یونیورسٹی کے شعبہ نفسیاتِ عملی کی دعوت پر تشریف لے گئے۔

☆ بنگلور کے لئے روانگی

۱۳۔ جنوری ☆ صبح ساڑھے آٹھ بجے حیدر آباد اسٹیشن پر پُرتپاک استقبال کیا گیا۔

۱۴۔ جنوری ☆ حیدر آباد میں مُختلف اکابرین شہر سے مُلاقاتیں کیں۔

۱۵۔ جنوری ☆ خطباتِ مدراس میں سے ایک انگریزی لیکچر دیا۔

۱۹۔ جنوری ☆ اعلےٰ حضرت شہریار نظامِ دکن سے صُبح گیارہ بجے ملاقات کی۔ اسی دن لاہور کے لئے رُوانگی۔

۱۴۔اپریل ☆ انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں قرآن کا مُطالعہ کے عنوان پر تقریر کی۔

مئی ☆ پنجاب ہائی کورٹ کے جج کے عُہدے کے لیے اقبال کا نام تجویز کیا گیا، مگر تقرر نہ ہو سکا۔

جولائی ☆ "پیامِ مشرق" کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

۲۵۔ستمبر ☆ مولوی میر حسن (پ: ۱۸۔اپریل ۱۸۴۴ء) کا سیالکوٹ میں انتقال ہوا۔

۱۷۔ نومبر ☆ لاہور سے علی گڑھ کے لیے روانگی۔

۱۸۔ نومبر ☆ علی گڑھ کے اکابرین اور طلبہ سے مُلاقاتیں۔

۱۹، نومبر ☆ علی گڑھ کے اسٹچی ہال میں خطبہ دیا

۲۲۔ نومبر ☆ علی گڑھ انٹرمیڈیٹ لالج یونین کے اعزازی لائف ممبر مقرر ہوئے۔

☆ یونیورسٹی کی طرف سے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی۔

## ۱۹۳۰ء

☆ مُنیر ہ بانو کی پیدائش۔

مارچ ☆ "بانگ درا" کے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت۔

مئی ☆ خطباتِ مدراس (انگریزی) کی اشاعت۔

۱۰۔جون ☆ سر طامس آرنلڈ (پ:۱۹۔اپریل ۱۸۴۶ء) کا انتقال ہوا۔

۱۷۔اگست ☆ اقبال کے والد شیخ نور محمد (پ: ۱۸۳۷ء) کا انتقال ہوا۔

۲۳۔نومبر ☆ علامہ اقبال نے لاہور کے مُسلم اکابر کا ایک اجلاس برکت علی اسلامیہ ہال میں بُلایا۔ جس میں اُنھوں نے شمالی ہند کے مُسلمانوں کی خاص کانفرنس کے انعقاد پر زور دیا۔

۲۹۔دسمبر ☆ آل انڈیا مُسلم لیگ کے سالانہ جلسے الہٰ آباد کی صدارت کی۔ جس میں شمال مغربی ہند میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا۔

**۱۹۳۱ء** اپریل ☆ آل پارٹیز مُسلم کانفرنس منعقدہ دہلی میں شرکت کی۔

| | |
|---|---|
| ۲۔ مئی | ☆ لاہور کے ایک جلسہ عام کی صدارت کی، جس میں جداگانہ طریقِ انتخاب کی حمایت کی گئی۔ |
| ۱۰۔ مئی | ☆ مُسلم عمائدین کے ایک جلسے منعقدہ بھوپال میں شرکت کی۔ |
| ۸۔ ستمبر | ☆ دوسری گول میز کانفرنس کے لئے لاہور سے دہلی کے لئے روانگی۔ |
| ۹۔ ستمبر | ☆ دہلی اسٹیشن پر پُرتپاک اِستقبال والوداع کے لئے ہزاروں لوگوں کا ہُجوم۔ |
| ۱۰۔ ستمبر | ☆ بمبئی پہنچے اور تاج محل ہوٹل میں قیام کیا۔ اسی شام عطیہ بیگم فیضی کے مکان "ایوانِ رفعت" کی ایک شاندار دعوت میں شرکت کی۔ |
| ۱۱۔ ستمبر | ☆ خلافت ہاؤس کے عصرانے میں شرکت کی۔ |
| ۱۲۔ ستمبر | ☆ بحری جہاز سلوجا سے لندن کے لئے روانگی۔ |
| ۲۱۔ نومبر | ☆ دوسری گول میز کانفرنس کے دوران ہی |

لندن سے بذریعہ ٹرین اٹلی کے لئے روانگی، غلام رسُول مہر شریکِ سفر تھے۔

۲۲۔ نومبر ☆ اٹلی سے روم پہنچے۔

۲۵۔ نومبر ☆ شاہ امان اللہ خان سے روم میں مُلاقات کی۔

۲۶۔ نومبر ☆ رائل اکاڈمی میں لیکچر دیا۔

۲۷، نومبر ☆ قصرِ وینس میں مسولینی سے مُلاقات کی۔

۲۹۔ نومبر ☆ بذریعہ بحری جہاز مصر کے لئے روانگی۔

یکم دسمبر ☆ مصر سے اسکندریہ کے لئے بذریعہ بحری جہاز روانگی

۵۔ دسمبر ☆ اسکندریہ سے قاہرہ کے لئے روانگی۔

☆ اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے بذریعہ ٹرین فلسطین پہنچے۔

۶۔ دسمبر ☆ بیت المقدس تشریف لے گئے، جہاں مفتی اعظم امین الحسینی اور دیگر فلسطینی زعماء نے استقبال کیا۔

۷۔ دسمبر ☆ باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔ عہدیداروں کا انتخاب ہوا۔ چار نائب صدور میں سے

ایک اقبال بھی منتخب ہوئے۔

۱۴۔دسمبر ☆ انگریزی میں تقریر کی، جو الوداعی تھی۔

۱۵۔دسمبر ☆ فلسطین سے روانگی۔ جہاز کے انتظار میں دو روز تک پورٹ سعید میں رُکنا پڑا۔ ۱۷۔دسمبر کو جہاز آیا تو اس میں سوار ہوئے۔

۲۸۔دسمبر ☆ بمبئی آمد اور خلافت ہاؤس میں قیام۔ عطیہ فیضی سے مُلاقات۔ اسی روز فرنٹیر میل سے روانگی۔

۲۹۔دسمبر ☆ دہلی پہنچے۔

۳۰۔دسمبر ☆ لاہور آمد۔

**۱۹۳۲ء**

فروری ☆ "جاوید نامہ" کی اشاعت۔

۶۔مارچ ☆ پہلا یومِ اقبال منایا گیا۔ جس کا انتظام اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور نے کیا تھا۔

۳۱۔مارچ ☆ آل انڈیا مُسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور کی صدارت کی۔

| | |
|---|---|
| ۲۰، جون | ☆ آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفادیا۔ |
| ۲۵۔ جولائی | ☆ سکھ مطالبات کے بارے میں اقبال کا بیان شائع ہوُا۔ |
| ۲۴۔ اگست | ☆ فرقہ وارانہ فیصلہ کے بارے میں انُ کا ایک بیان شائع ہوُا۔ |
| ۱۷۔ اکتوبر | ☆ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لاہور سے روانگی۔ |
| ۱۹۔ اکتوبر | ☆ بمبیی آمداور دوروزہ قیام۔ |
| ۲۲۔ اکتوبر | ☆ بذریعہ بحری جہاز بمبئی سے یورپ کے مختلف شہروں کے لئے روانگی۔ |
| ۱۲۔ نومبر | ☆ لندن میں آمد۔ |
| ۱۷۔ نومبر | ☆ گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس۔ |
| ۲۴۔ نومبر | ☆ نیشنل لیگ (لندن) طرف سے اقبال کا استقبال۔ اپنی مختصر سی تقریر میں اقبال نے تیسری گول میز کانفرنس سے متعلق اپنے اُمید افزا خیالات کا اظہار کیا۔ |
| ۱۹۔ دسمبر | ☆ دارالعلوم کمیٹی روُم میں ایک تاریخی اجلاس منعقد ہوُا جس میں اقبال نے تقریر کی۔ |

۲۰۔ دسمبر ☆ لندن سے پیرس کے لئے روانگی۔

۲۱۔ دسمبر ☆ فرانسیسی فلسفی ہنری برگساں سے مُلاقات کی۔

۱۹۳۳ء جنوری ☆ اوائل میں اسپین پہنچے۔ جہاں قرطبہ، غرناطہ اشبیلیہ، میڈرد اور دوسرے شہروں میں تاریخی آثار دیکھے۔ مسجدِ قرطبہ میں نفل ادا کیے۔ میڈرڈ میں دئے گئے لیکچر کا نام تھا: "Spain and intellectual world of Islam"

۱۲۔ جنوری ☆ جنوبی ہسپانیہ سے میڈرڈ واپسی۔

۲۴۔ جنوری ☆ میڈرڈ یونیورسٹی میں لیکچر دیا۔

۲۶۔ جنوری ☆ پیرس آمد اور جنوری کے آخر تک قیام۔

۱۰، فروری ☆ وینس سے بذریعہ بحری جہاز ہندوستان کے لیے روانگی۔

۲۲۔ فروری ☆ صُبح کو بمبئی آمد۔

۲۷۔ فروری ☆ بمبئی سے لاہور آمد اور عظیم الشان استقبال۔

یکم مارچ ☆ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے اقبال کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔

۱۸۔ مارچ ☆ جامعہ ملیہ میں غازی رؤف پاشا کے توسیعی خطبات کی صدارت کی۔

۱۶، مئی ☆ چینی ترکستان میں بغارت سے متعلق بیان شائع ہوا۔

یکم اکتوبر ☆ حکیم سنائی کے مزار پر نظم "افکارِ پریشاں" تخلیق ہوئی۔

۲۰، اکتوبر ☆ افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ غازی کی دعوت پر سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کے ہمراہ افغانستان کے لیے روانگی۔

۲۴۔ اکتوبر ☆ باغ بابر میں گارڈن پارٹی۔

۲۶۔ اکتوبر ☆ نادر شاہ سے مُلاقات۔

۲۸۔ اکتوبر ☆ انجمن ادبی کابل کی جانب سے استقبالیہ دیا گیا۔

یکم نومبر ☆ کابل سے قندھار پہنچے۔

۲۔ نومبر ☆ چمن کے لئے روانگی۔

۳۔ نومبر ☆ کوئٹہ سے بذریعہ کراچی میل لاہور کے

| | | |
|---|---|---|
| | | لئے روانگی۔ |
| | ۴۔ نومبر | ☆ لاہور آمد۔ |
| | ۴۔ دسمبر | ☆ پنجاب یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ |
| ۱۹۳۴ء | ۱۰۔ جنوری | ☆ عید کا دن تھا، شدید سردی تھی، گرم سوئیوں پر دہی ڈال کر کھایا، نزلہ ہو گیا، گلا بیٹھ گیا یہیں سے علالت کا آغاز ہوا۔ |
| | مئی | ☆ آکسفورڈ یونیورسٹی نے "روطوس لیکچرز" کے لیے دعوت دی، موضوع تھا: "زمان و مکان: فلسفہ اسلام کی تاریخ"۔ |
| | مئی | ☆ "خطباتِ مدارس" انگریزی کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت۔ |
| | ۲۹۔ جون | ☆ جاوید اقبال کے ساتھ سرہند شریف کی زیارت کی۔ |
| | یکم جولائی | ☆ انجمن حمایتِ اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ |
| | ۱۷۔ نومبر | ☆ لاہور سے شب میں علی گڈھ کے لیے |

روانگی، محمد عبدُاللہ چغتائی ہمراہ تھے۔

۱۸۔ نومبر ☆ صُبح علی گڈھ میں آمد۔

۲۰۔ نومبر ☆ اسٹریچی ہال علی گڈھ میں خُطبہ دیا۔

۲۵۔ نومبر ☆ علی گڈھ سے لاہور آمد۔

نومبر ☆ مثنوی مُسافر (سیاحتِ افغانستان) کی اشاعت۔

نومبر ☆ جاوید منزل کی تعمیر کی ابتدا۔

۱۳۔ دسمبر ☆ مُسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دی۔

**۱۹۳۵ء**

جنوری ☆ "بال جبریل" کی اشاعت۔

۳۰۔ جنوری ☆ جامعہ ملیہ دہلی میں نامور ترک خاتون ادیب خاتم کے ایک لیکچر کی صدارت کی۔

۳۱۔ جنوری ☆ بغرضِ علاج بھوپال کا سفر کیا۔

۵۔ فروری ☆ بھوپال کے حمیدیہ ہسپتال میں برقی شعاعوں کے علاج کی ابتدا۔

۷۔ مارچ ☆ بھوپال سے دہلی کے لیے روانگی۔

۸۔ مارچ ☆ دہلی پہنچے اور حکیم نابینا کو اپنی نبض دکھائی۔

سردار بیگم کی علالت سے متعلق مشورے کیے۔

۹۔مارچ ☆ "اسلام اور قومیت" پر مولانا حُسین احمد مدنی کے بیان کا جواب روزنامہ "احسان" لاہور میں شائع ہوا۔

☆ لاہور کے لیے روانگی۔

۱۰۔مارچ ☆ لاہور پہنچے۔

اپریل ☆ جاوید منزل کی تعمیر مکمل ہوئی۔

۲۰۔ مئی ☆ جاوید منزل میں منتقل ہوئے۔

۲۴۔ مئی ☆ سردار بیگم (والدہ جاوید و منیرہ) کا لاہور میں انتقال ہوا۔

یکم جون ☆ نواب حمید اللہ خان والئی بھوپال نے پانچ سو روپے ماہانہ وظیفہ جاری کیا۔

۱۵۔ جولائی ☆ برقی علاج کے لئے بھوپال کا دوسرا سفر کیا۔

۲۸، اگست ☆ برقی علاج کا دوسرا دور ختم ہوا اور اقبال دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔

۳۰، اگست ☆ لاہور پہنچے۔

۲۵، اکتوبر ☆ جشنِ صد سالہ حالی میں شرکت کے لیے

پانی پت کا سفر کیا۔

۱۹۳۶ء — اپریل — ☆ قائدِ اعظم سے لاہور میں مُلاقات کی۔ اقبال پنجاب مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۲۔اپریل — ☆ انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں نظم "نغمۂ سرمدی" پڑھی۔ یہ آخری شرکت تھی۔

مئی — ☆ مثنوی "مُسافر" کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت۔

☆ طویل نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" تخلیق ہوئی۔

جولائی — ☆ "ضربِ کلیم" کی اشاعت۔

اکتوبر — ☆ "مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" کی اشاعت۔

دسمبر — ☆ "مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مُسافر" کی اشاعت۔

۲۹۔جولائی — ☆ ڈھاکہ یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی اعزازی

ڈگری عطا کی۔

۱۹۳۷ء

☆ موتیابند کی شدت۔

اپریل ☆ حکیم نابینا کا علاج۔

☆ دردِ نقرس کی ابتدا۔

۲۷۔جولائی ☆ تقسیمِ فلسطین کے بارے میں ایک بیان شائع ہوا۔

۱۰۔دسمبر ☆ شعبہ تحقیقات اسلامی کے قیام کی ضرورت پر تفصیلی بیان دیا۔

۱۳۔دسمبر ☆ لہ آباد یونیورسٹی نے اپنی جوبلی کے موقع پر ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔

۱۹۳۸ء یکم جنوری ☆ سالِ نو کا پیغام جو آل انڈیا ریڈیو کے لاہور سٹیشن سے نشر ہوا۔

یکم مارچ ☆ عثمانیہ یونیورسٹی (حیدر آباد) نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔

۲۱۔اپریل ☆ صبح پانچ بج کر ۱۵ منٹ پر علامہ اقبال کا انتقال ہوا۔ شام ۵ بجے جاوید منزل سے

جنازہ اٹھا۔ اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع و
عریض گراؤنڈ میں تقریباً بیس ہزار
نفوس نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ شاہی مسجد
کے صحن میں مولانا غلام مرشد نے ایک بار
پھر نماز جنازہ ادا کی۔

☆ رات ۹ بج کر ۴۵ منٹ پر تدفین عمل
میں آئی۔

نومبر ☆ اقبال کے انتقال کے بعد "ارمغانِ
حجاز" کی اشاعت عمل میں آئی۔

# IQBAL INSTITUTE

The University of Kashmir
Srinagar - 190 006